166

مَدِینہ، مَدِینہ

ہدیہ: 40 روپے

پیارا قدم

زمانے کا فاتح
مَدِینہ، مَدِینہ

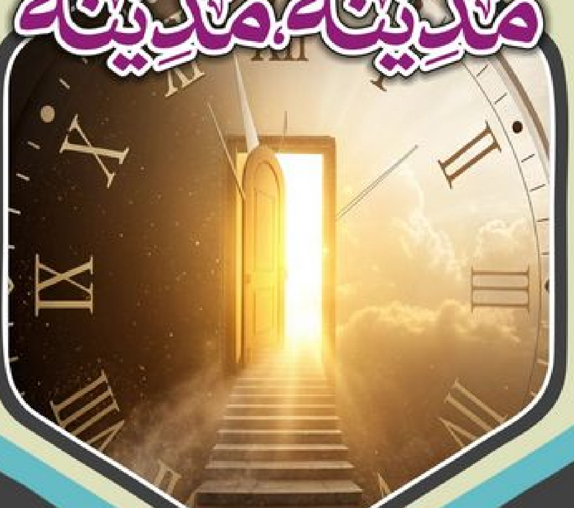

اصل طریقہ

نعتِ رسول ﷺ

شمعِ دیں کی کیسے ہو سکتی ہے مدہم روشنی
بزمِ طیبہ میں برستی ہے جھما جھم روشنی

خاک پائے شاہ کو سرمہ بنا لیتا ہوں میں
میری آنکھوں میں کبھی ہوتی ہے جب کم روشنی

نورِ مطلق کے قریں بے ساختہ پہنچے حضور
روشنی سے کس قدر ہوتی ہے محرم روشنی

نقشِ پائے شہہ کی ہلکی سی جھلک ہے کارگر
کیسے ہو سکتی ہے مہر و مہ کی مدہم روشنی

پانی پانی ہو ابھی یادِ شہِ کل میں صبیح
میرے اشکوں کی جو دیکھے چاہِ زم زم روشنی

اللہ تعالیٰ ہمیں خسارے سے بچائیں...... اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں اکثر لوگ خسارے میں ہی جا رہے ہیں......

''وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ''

قسم ہے وقت کی کہ تمام انسان خسارے میں ہیں......

''اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا''

مگر وہ جو ایمان پر ہیں...... یعنی دین اسلام کو دل اور زبان سے قبول کر چکے ہیں......

''وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ''

اور وہ اچھے کردار اور اعمال میں لگے ہوئے ہیں......

''وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ''

اور وہ ''حق'' پر قائم ہیں...... اور حق کی دعوت بھی دیتے ہیں......

''وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ''

اور وہ حق پر ثابت قدم ہیں...... سخت حالات میں بھی حق پر ڈٹے ہوئے ہیں...... اور حق کی دعوت بھی دیتے ہیں......

اس عظیم ''سورۃ مبارکہ'' پر غور کر رہا تھا کہ...... دل اور زبان پر یہ دعاء جاری ہوگئی......

''اَللّٰھُمَّ یَارَبَّ الْعَصْرِ''

یا اللہ اے وقت کے مالک!

''اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُسْرِ''

میں آپ کی پناہ اور حفاظت مانگتا ہوں خسارے سے......

وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا

آپ مجھے ایمان والوں میں سے بنا دیجئے!

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اور اچھے کردار و اعمال والوں سے بنا دیجئے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

اور حق والوں میں سے...... اور ثابت قدم رہنے والوں میں سے بنا دیجئے......

یہ سورۃ مبارکہ...... اوپر سے نیچے بھی آتی ہے...... اور نیچے سے اوپر بھی جاتی ہے...... اوپر سے نیچے اس طرح کہ...... اصل نعمت ایمان ہے...... ایمان یعنی دین اسلام کو ماننے بغیر...... قبول کئے بغیر کوئی کامیابی نہیں...... ایمان آتا ہے تو وہ انسان کے دل، خون، بدن اور وقت کو پاک کر دیتا ہے...... اور اسے ''اعمال صالحہ'' میں لگا دیتا ہے...... اعمال صالحہ آتے ہیں تو انسان کو حق راستہ ملتا ہے...... جب انسان حق پر چلتا ہے تو اس پر آزمائشیں آتی ہیں...... تب ضرورت پڑتی ہے کہ...... اہل حق، ایک دوسرے کو صبر اور ثابت قدمی کی وصیت کریں...... دعوت دیں......

اور ''سورۃ مبارکہ'' نیچے سے اوپر یوں جاتی ہے کہ...... جو ایمان والے مشکل حالات میں صبر کرتے ہیں...... ثابت قدم رہتے ہیں...... اور ایک دوسرے کو ثابت قدمی کی تاکید کرتے ہیں

تو وہی ''حق'' پر رہتے ہیں...... اور حق سے نہیں پھسلتے...... جب وہ ''حق'' پر رہتے ہیں تو اُن کو بڑے بڑے نیک اعمال کی توفیق ملتی رہتی ہے...... اور نیک اعمال میں لگے رہنے کی برکت سے اُن کا ''ایمان'' محفوظ رہتا ہے...... اور وہ ایمان کے زوال سے بچ جاتے ہیں...... کفر اور نفاق سے بچ جاتے ہیں...... یہ بڑی عجیب ''سورۃ'' ہے اور اس میں جو قسم کھائی گئی ہے وہ بہت بڑی قسم ہے...... زمانے کی قسم، وقت کی قسم...... انسان کی عمر کی قسم......

وقت اور زمانہ...... بہت قیمتی چیز ہے...... مگر وقت رکتا نہیں...... کوئی بادشاہ ہو یا فقیر...... وقت کی نظر میں سب برابر ہیں...... وقت کسی کی پرواہ نہیں کرتا...... بس گذر جاتا ہے...... ختم ہوتا جاتا ہے...... وقت کو کوئی خرید نہیں سکتا...... وقت کو کوئی روک نہیں سکتا...... وقت کو کوئی بڑھا نہیں سکتا......

وقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے...... دنیا جب سے پیدا ہوئی ہے عقلمند لوگ...... وقت کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں...... وقت کو ناپنے اور ماپنے کی کوشش کر رہے ہیں...... وقت کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں...... ماضی اور مستقبل کے وقت میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں...... مگر اب تک کوئی کامیاب نہیں ہوا...... جیسے ہی کسی کو اس بارے کچھ سمجھ آنے لگتا ہے تو اس کا اپنا وقت ختم ہو جاتا ہے...... اور وہ حسرت اور خسارے کے ساتھ اپنے وقت کے آخری لمحے میں...... ایک نئی دنیا کی طرف بہا دیا جاتا ہے...... اللہ تعالیٰ نے وقت کو ''بے نیاز'' بنایا ہے...... وہ کسی کا محتاج نہیں...... اسے کسی کی پرواہ نہیں...... وہ طوفان کی طرح چلتا ہے...... بچوں کو جوان...... جوانوں کو بوڑھا اور بوڑھوں کو قبر تک پہنچا دیتا ہے...... وہ بادشاہوں کے نیچے سے اُن کے تخت کھینچ لیتا ہے...... وہ حسینوں کی زلفوں کو بے رونق...... اور پہلوانوں کے جسموں کو کھوکھلا کر دیتا ہے...... ملحد لوگ نعوذ باللہ...... اللہ تعالیٰ سے مقابلے کی باتیں کرتے ہیں...... وہ ذرا ''وقت'' کا تو مقابلہ کر کے دیکھ لیں...... اللہ

تعالیٰ نے ''ذوالقرنین'' کو وقت شروع ہونے کی جگہ بھی دکھائی...... اور وقت غروب ہونے کی جگہ بھی...... مگر وقت روکنے کا کوئی طریقہ، کسی کو نہیں سکھایا...... لیکن اپنے حبیب ﷺ کو وقت سے بھی باہر کی سیر کرادی...... ذوالقرنین...... وقت کے ''دو سِروں'' کے درمیان گھومتے رہے...... مگر آقا حضرت محمد مدنی ﷺ...... وقت کی پہنچ سے باہر نکل گئے...... انہوں نے اربوں نوری سالوں سے بھی زیادہ کا سفر...... رات کے ایک چھوٹے سے حصے میں طے فرما لیا...... وقت پیچھے رہ گیا...... حضرت آقا محمد مدنی ﷺ وقت سے آگے نکل گئے...... انہوں نے وقت سے باہر نکل کر...... وقت کو دیکھا تو اس کے سارے راز سمجھ گئے...... باقی سب تو وقت کے اندر پھنسے ہوئے ہیں...... کسی چیز کے اندر پھنس کر اس کی حقیقت کو کہاں سمجھا جا سکتا ہے؟...... پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی امت پر رحمت فرمائی...... شفقت فرمائی اور سورۃ العصر نازل فرمادی...... اس سورۃ میں مسلمانوں کو...... ''وقت'' کے ساتھ کامیابی سے نمٹنے کا طریقہ سمجھا دیا...... اسی لیے انہوں نے ''وقت'' کو فتح کیا...... اور خسارے سے بچ گئے...... آپ حضرات صحابہ کرام کی فتوحات دیکھیں...... مدینہ منورہ سے شام اور فلسطین کا فاصلہ دیکھیں...... ایران اور عراق کی مسافت دیکھیں...... یہ سب کتنے عرصے میں فتح ہو گئے......

اس زمانے کے دو ناقابل شکست ایمپائر...... روم اور فارس...... کس طرح ختم ہو گئے...... اس وقت نہ طیارے تھے نہ بم...... نہ گاڑیاں اور ٹینک تھے نہ میزائل...... پھر لاکھوں کے لشکر رکھنے والے یہ بڑے بڑے ممالک...... کس طرح سے برف کی طرح پگھلتے گئے...... ہم نے آج کافروں کی طاقت...... اور دولت کو...... اپنے سروں پر سوار کر رکھا ہے...... ہم ''وقت'' کے قرآنی راز کو بھول کر...... طاقت کے اعداد و شمار میں کھوئے رہتے ہیں...... اسی وجہ سے...... یعنی کافروں کے رعب کی وجہ سے...... بہت سے مسلمان کافر ہو جاتے ہیں...... اور بہت سے منافق...... حالانکہ وقت کا خسارہ اُن کو کھا رہا ہے...... اور کھاتا رہے گا...... آپ آج کی جنگوں کو

دیکھیں...... کیا اسرائیل نے حماس کو ختم کر دیا ہے؟ جواب نہیں میں ہے...... حماس آج پہلے سے زیادہ طاقتور ہے...... وقت کا خسارہ اسرائیل کو تباہ کر رہا ہے...... اور وقت کی برکت حماس کو پال رہی ہے......

میں آج کی جنگوں کو دیکھتا ہوں...... اور حضرات صحابہ کرام اور اسلاف کی جنگوں کو دیکھتا ہوں تو...... حیران ہو جاتا ہوں...... انہوں نے گھوڑوں اور تیر کمانوں سے...... لاکھوں مربع میل فتح کر لیے...... اور اُن کو مکمل بدل دیا...... جبکہ آج کی طاقتیں کسی ملک کا ایک سو گز علاقہ بھی فتح نہیں کر پا رہیں...... بدلنا تو دور کی بات ہے...... یہ طاقتیں جہاں جاتی ہیں...... پھنس کر رہ جاتی ہیں...... اور پھر منتیں ترلے کر کے وہاں سے نکلتی ہیں...... کِس کِس کی مثال دوں...... سارے حالات آپ کے اور ساری دنیا کے سامنے ہیں...... البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ...... مسلمان آج مظلوم ہیں...... کمزور ہیں...... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ’’وقت‘‘ کے خسارے سے بچنے کا جو راز منکشف فرمایا تھا...... اسے بھول گئے ہیں...... وہ ایمان سے دور جا رہے ہیں...... وہ اعمال صالحہ کو چھوڑ چکے ہیں...... وہ حق کی اجتماعی قوت اور دعوت سے ہٹ گئے ہیں...... اور صبر نام کی تو چیز ہی باقی نہیں رہی...... ہر کوئی جلد از جلد اسی دنیا کو اپنے لیے چمکدار بنانے کی خاطر...... کافروں کی غلامی کا طوق پہن رہا ہے...... یہی وہ تفسیر ہے جو حضرت آقا محمد مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سورۃ مبارکہ کی سمجھائی تھی...... اور ارشاد فرمایا تھا......

’’جب تم جہاد چھوڑ دو گے اللہ تعالیٰ تم پر ذلت کو مسلط فرما دے گا اور اس ذلت کو تم سے اس وقت تک دور نہیں کرے گا...... جب تک کہ تم اپنے دین (یعنی جہاد) کی طرف نہیں لوٹو گے‘‘ (ابو داوٗد)

اب تو ’’جہاد‘‘ صرف چھوٹا نہیں...... بلکہ جہاد کا انکار کیا جا رہا ہے...... جہاد کو نعوذ باللہ بوجھ سمجھا جا رہا ہے...... کافروں سے اس بات کی شاباش لی جا رہی ہے کہ...... ہم نے ’’جہاد‘‘ کا راستہ روکا

ہوا ہے...... دنیا کے پچپن اسلامی ملکوں میں سے ایک بھی نہیں...... جس نے اپنی سرحدوں کے باہر ایک قدم جہاد کے لیے اُٹھایا ہو...... اگر آپ کسی کو اس کی دعوت دیں تو وہ اسے ناممکن...... اور مکمل ہلاکت قرار دے دے گا...... کیا یہی ہے ایمان؟...... کیا یہی ہے اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ؟...... کیا یہی ہے عمل صالح؟......

جب ان ملکوں نے ''حق'' کا راستہ چھوڑا تو اُن پر ایسی ذلت مسلط ہوئی کہ...... وہ کفار کے ''آلہ کار'' بن گئے...... وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر نہیں لڑے...... مگر کفار کی خاطر لڑنے لگے...... تب خود اُن کے اپنے ملکوں میں فساد برپا ہو گیا...... لڑنا تو اب بھی پڑ رہا ہے...... مگر اس لڑائی کا کیا فائدہ؟...... جس میں دونوں طرف مسلمانوں کا نقصان ہو رہا ہے...... وقت گذرتا جا رہا ہے...... ہر کوئی اپنی قبر اور اپنے انجام کی طرف...... تیزی سے بڑھ رہا ہے......

ہر طرف خسارہ ہی خسارہ ہے...... قرآن مجید پکار کر فرما رہا ہے کہ...... اپنے وقت کو دیکھو...... اپنے وقت کو سنبھالو...... اپنے ''وقت'' کو...... اُس ''وقت'' کے لیے محفوظ کر لو...... جب تم ''وقت'' سے باہر نکال دیئے جاؤ گے...... قبر والوں کے لیے نہ کوئی وقت ہوتا ہے...... نہ کوئی تاریخ...... جو وقت کے خسارے سے بچ گئے وہ وہاں کامیاب...... اور جو اپنے وقت کو برباد کر گئے...... یہاں کے مفادات میں اپنا وقت جلا گئے...... وہ وہاں ناکام...... قسم ہے زمانے کی...... انسان ناکامی میں جا رہا ہے...... یا اللہ...... خسارے سے حفاظت فرما...... وقت کو فتح کرنے والا بنا...... وقت کو کمانے والا بنا......

آمین...... یا ارحم الراحمین......

لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

قرآن کے سائے میں

سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۴)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنہیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

خلاصہ:

(۱) حق کے راستہ میں موت، موت نہیں ہے بلکہ تکلیف اور غم سے پاک ایک اعلیٰ زندگی ہے۔ پس اے مسلمانو! موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کرلو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کئے جانے والے ''شہدا'' بلاشبہ زندہ ہیں، مگر تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے ہو۔ ان کی زندگی بہت طاقتور اور اونچی ہے تمہارا ناقص شعور اس تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتادیا کہ بل احیاء وہ زندہ ہیں۔

(۳) جب مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ کو بنایا گیا تو یہودی کھلم کھلا دشمنی پر اُتر آئے، مسلمان کمزور تھے اور یہودی بہت طاقتور، پھر انہیں منافقین کی مدد بھی حاصل تھی، ایسے حالات میں خدشہ تھا کہ اس دین کا کیا بنے گا؟ یہ دین تو ابھی اپنے مرکز مدینہ منورہ ہی میں اتنی مشکلات اور دشمنیوں کا شکار ہے۔ اس پر فرمایا گیا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اللہ پاک اس دین کو مکمل فرمائے گا جیسے کہ اس نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں۔ یہود تو اس بات کو بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اب تم صبر، شکر اور ذکر و نماز کے ذریعے پکے مسلمان بن جاؤ اور جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔ تم میں سے جو جہاد میں مارا جائے گا وہ عظیم الشان زندگی پائے گا۔ اور جو ستایا جائے گا وہ ہدایت اور اجر و ثواب پائے گا۔ اس نصاب نے مسلمانوں کو مضبوط چٹان......

اور دین کا فدائی بنا دیا...... اور پھر دنیا نے دیکھا کہ یہودیت سمٹ گئی اور اسلام دنیا کے اکثر حصے پر چھا گیا...... پس اللہ تعالیٰ نے موت میں زندگی رکھ کر مسلمانوں کو موت کے خوف سے پاک کر دیا...... اور یہ سچ ہے کہ جو موت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس کے پیچھے دوڑتا ہے دنیا میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

اقوال وحوالے:

(۱) یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے (روح المعانی)

یہ چودہ حضرات تھے، چھ کا تعلق مہاجرین سے تھا اور آٹھ کا انصار سے حضرات مہاجرین کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب، حضرت عمیر بن ابی وقاص، حضرت ذوالشمالین، حضرت عاقل بن بکیر، حضرت مہجع بن صالح، حضرت صفوان بن بیضاء رضوان اللہ علیہم اجمعین

حضرات انصار کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت سعد بن خیثمہ، حضرت مبشر بن عبد المنذر، حضرت یزید بن الحارث، حضرت عمیر بن الحمام، حضرت رافع بن معلّٰی، حضرت حارثہ بن سراقہ، حضرت معوذ بن عفراء، حضرت عوف بن عفراء رضوان اللہ علیہم اجمعین (تفسیر کبیر وسیرت المصطفیٰ)

(۲) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب جہاد شروع ہوا تو کفار ومنافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) بلا فائدہ اپنی جانیں صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خوش کرنے کے لئے ضائع کر رہے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی اور شہداء کرام کا مقام بتا دیا گیا۔ امام رازی فرماتے ہیں: وعن آخرین ان الکفار والمنافقین قالوا: ان الناس یقتلو ن انفسهم طلبالمر ضاة محمد (ﷺ) من غیر فائدة فنزلت هذه الآیة۔ (تفسیر کبیر)

جاری ہے

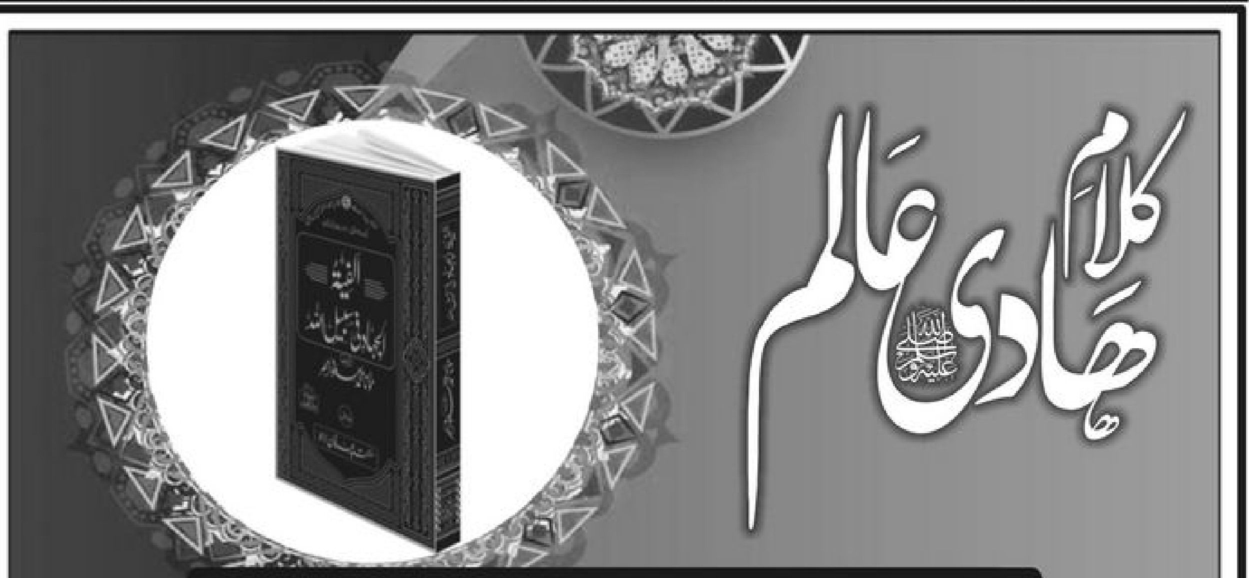

باب: فضل الغدوة أو الروحة فی سبیل الله

جہاد فی سبیل اللہ میں ایک صبح یا ایک شام (کچھ وقت) گذارنے کی فضیلت کا بیان

(۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ تعالٰی عنہ قَالَ: اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، وَمَنْ سَاَلَ اللهَ الْقَتْلَ مِنْ نَّفْسِه صَادِقًا ثُمَّ مَاتَ أَوْ قُتِلَ فَإِنَّ لَه أَجْرَ شَهِيْدٍ، وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَإِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَا كَانَتْ، لَوْنُهَا لَوْنُ الزَّعْفَرَانِ وَرِيْحُهَا رِيْحُ الْمِسْكِ، وَمَنْ خَرَجَ بِه خُرَاجٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ، فَإِنَّ عَلَيْهِ طَابَعَ الشُّهَدَاءِ۔

قد أخرجه أصحاب السنن و اللفظ لأبی داؤد و اللفظ للمستدرك۔

[سنن أبی داؤد: ۲۵۴۱، وسنن الترمذی: ۱۶۵۷، وسنن النسائی: ۳۱۴۱ وسنن ابن ماجه: ۲۷۹۲]

ترجمہ: حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

’’اگر کسی نے اونٹنی کا دودھ نکالنے کے درمیانی وقفہ کے برابر بھی قتال کیا تو اس کے لیے جنت واجب ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے شہادت کی دعاء مانگی، پھر وہ فوت ہو گیا، یا قتل کر دیا گیا تو اس کے لیے شہید کا ثواب ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی زخم آ گیا، یا کوئی چوٹ لگ گئی تو قیامت کے دن وہ زخم اسی طرح (تروتازہ) ہوگا جیسے کہ وہ تھا، اس (کے خون) کا رنگ زعفران کا اور خوشبو کستوری کی ہوگی اور جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی پھوڑا نکل آیا تو اس پر شہداء جیسی مہر ہوگی۔‘‘

اصل طریقہ

مولانا طلحۃ السیف

دنیا میں کیا کوئی ایک مثال بھی کسی کے پاس موجود ہے کہ گوریلا جنگ لڑنے والے آزاد گروہوں پر روایتی فوجی قوت سے غلبہ حاصل کرلیا گیا ہو اور کوئی منظم فوج اپنی تربیت، ٹیکنالوجی اور جنگی مہارت کے بل بوتے پر کسی ایک گوریلا تحریک کو ختم کر دینے میں کامیاب رہی ہو؟......

جواب نفی میں ہے......

اگر کہیں کسی ایسی تحریک پر قابو پا بھی لیا گیا تو اس کے اسباب فوجی نہیں بلکہ کچھ اور رہے ہیں......

وجہ صاف ہے کہ گوریلا جنگ لڑنے والی تحریکوں کی نفسیات، تربیت، جنگ کا انداز اور طریق کار مختلف ہوتا ہے جبکہ دنیا بھر کی فوجیں ایک جیسے ماحول، تربیتی نصاب اور طریق جنگ کے تابع ہیں۔اس لیے ہر جگہ ان غیر روایتی جنگجوؤں کا پلڑا افواج پر بھاری رہتا ہے۔اب اگر کسی ملک کو ایسی کسی تحریک سے واسطہ پڑ گیا ہے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ وہ ان کے مقابل روایتی افواج سے مدد کا طالب ہو، ان پر مال خرچ کرے اور ان کی مدد پر تکیہ کر کے یہ سمجھے کہ اسے مدمقابل پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔بات اچھی لگے یا بری لیکن حقیقت یہی ہے اور تاریخ اور حال سب اس کے شاہد ہیں۔آپ کے مقابل صحراء میں ننگے پاؤں دوڑنے والے، پہاڑوں پر ٹوٹی چپلوں میں چیتے کی رفتار سے چڑھ جانے والے، اپنے صحیح یا غلط نظریے کو جان سے مقدس جاننے والے اور اس پر جان وار جانے کو اپنی خوش بختی کی معراج سمجھنے والے، دفاع نفس کے قرینوں سے ناواقف اور اِقدام کے جدید اصولوں سے نابلد جنگجو ہوں تو ان کا مقابلہ لگے بندھے اصولوں کی قید میں جکڑے سپاہی نہیں کر

پاتے۔خواہ وہ تربیت، سازوسامان، دفاع اور اقدام کی ہر جدید سے جدید تر ٹیکنالوجی سے لیس امریکی اور یورپین افواج ہی کیوں نہ ہوں۔کیا اس حقیقت کے خلاف کوئی مثال پیش کرنے کو موجود ہے؟......

مسلمانوں کو اس لیے 'جہاد' یعنی ٹکراؤ اور مزاحمت کا یہ عمل ڈیوٹی کی نہیں عبادت کی شان کے ساتھ عطاء کیا گیا۔صرف یہ احساس اور شعور ہی ایک مسلمان کے لیے ہر طرح کی جنگ اور ہر طرح کے دشمن سے مقابلہ نہ صرف آسان بنا دیتا ہے بلکہ میدان میں اس کی نفسیاتی اور عملی برتری کا وسیلہ بن جاتا ہے کہ یہ عمل اس کے لیے عبادت ہے۔رب تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے۔جنت کے حصول کا وسیلہ ہے اور اعلیٰ مراتب کا ضامن ہے۔جب مسلم معاشرے کے فرد کو اس احساس سے بیگانہ کر دیا جائے گا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس شعور کو اس کے لیے جرم بنا دیا جائے گا تو پھر یہی منظر ہو گا کہ مقدسات کی حفاظت کے لیے بھی غیروں کی طرف نظریں اٹھانا پڑیں گی اور خطرے کے وقت میں جوانمرد بھی مَردوں کو آوازیں لگاتے پھریں گے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ

ہر مسلمان صاحب اختیار واقتدار کے لیے امر الٰہی ہے

وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ

اس کا تکملہ اور تتمہ ہے۔اور جب یہ دونوں ذمہ داریاں احسن انداز میں پوری کی جائیں تو نتیجہ

عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا

کی شکل میں نکلنا لاریب اعلان ہے۔

لیکن جب حکمران خود کو صرف اپنی عوام کی تفریح وعیاشی کی سہولیات میسر کرنے کا ذمہ دار سمجھیں اور جہاد کو اپنی ذمہ داریوں سے نکال دیں اور اپنی رعایا کو جہاد کی تحریض کے ذریعے تیاری پر آمادہ نہ رکھیں بلکہ اس سوچ کو ان کے لیے شجر ممنوعہ بنا دیں اور یہ ذمہ داری یاد دلانے والوں کو پابند سلاسل اور حوالہ زندان کر دیں تو پھر کیا نتیجہ نکلے گا؟......

اسلام پر، امت پر، مقدسات اسلام پر اور اراضی اسلام پر دشمن اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جس طرح بھوکے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں......

لا تقتلوا أسود بلادکم فتأکلکم کلاب أعدائکم

(اپنے شیروں کو قتل نہ کرو ورنہ دشمنوں کے کتے تمہیں بھنبھوڑ ڈالیں گے)

جس نے یہ سبق یاد دلانے کی کوشش کی تھی سارے عالم عرب نے مل کر اس خیر خواہ کو نشان عبرت بنا ڈالا......

مگر

چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں......

☆☆☆

قرآن کی دعوت ہے ''اَعِدُّوْا لَھُمْ'' ان دشمنوں سے مقاومت کے لیے ہر مسلمان تیار رہے۔ یہی قرآن وسنت سے جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیمات اور اس کی شرعی حدود سمجھا ہوا مسلمان ہی ملت کا وہ محافظ ہے جو حی علی الجہاد کی آواز سنتے ہی میدانوں کی طرف لپکتا ہے اور اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہر طرح کے دشمن سے ٹکرا جاتا ہے۔ جس قوم کے پاس ایسے افراد موجود ہوں ان پر دشمن حملہ آور ہونے اور ان کے مقدسات کو پامال کرنے کی جرات نہیں پاتے بلکہ ان سے دب کر رہتے ہیں اور صلح جوئی پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور جس معاشرے میں شرعی جہاد فی سبیل اللہ، اس کی دعوت اور اس کی تیاری کو جرم بنا دیا جائے وہ اسلامی معاشرہ دو میں سے ایک صورتحال کا ضرور شکار ہوتا ہے......

(ا) اس معاشرے میں جہاد کے نام پر فساد مچانے والے وہ گروہ نمودار ہو جاتے ہیں جو نہ تو اس عظیم عبادت اور حکم الٰہی کی شرعی حدود و قیود کے پابند ہوتے ہیں نہ وہ خون مسلم کی حرمت کا کوئی پاس رکھتے ہیں۔ قرآن وسنت کی نصوص کی باطل تاویلات کے ذریعے وہ صرف قتل وغارت کا بازار گرم کرتے ہیں اور اپنے معاشرے کا امن برباد کرتے ہیں۔ اپنے سوا سب کو واجب القتل

گردانتے ہیں اور اس سلسلے میں کسی فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ایسے گروہ ہمیشہ مسلمانوں میں اسی وقت نمودار ہوتے ہیں اور مضبوطی سے اپنی جڑیں جما لیتے ہیں جب جہاد کی شرعی صورتوں پر قدغن عائد کر دی جائے، قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا صحیح پیغام اور درست منہج بیان کرنا بند کر دیا جائے اور اس کے عملی راستے مسدود کر دیئے جائیں۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر مفتی اور شیخ الحدیث حضرت مولنا مفتی سعید احمد پالنپوری قدس سرہ نے شرح بخاری میں اس کی مثال یوں لکھی ہے کہ جہاد کے جاری رہنے کا عمل ایسے ہے جس طرح پانی کا دریا بہتا رہے۔اگر اس کا بہاؤ مسلسل رہے گا تو وہ اپنی رو میں گذرتا رہے گا آپ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا لیکن اگر اس کے راستے میں کسی بستی والے کوئی رکاوٹ ایسی کھڑی کر دیں گے جس سے اس کا بہاؤ متاثر ہوا تو پانی اس بستی کے مکانات پر چڑھ دوڑے گا اور اس کا نقصان بھی رکاوٹ کھڑی کرنے والے اٹھائیں گے۔مسلم معاشروں میں عذاب بن کر مسلط ہو چکے ایسے گروہوں کا اصل حقیقی اور فطری علاج یہی ہے کہ درست شرعی بنیادوں پر اس عمل کو جاری کیا جائے اور اس کی قرآنی دعوت اور نبوی منہج کا پیغام اسلامی معاشروں میں عام کیا جائے۔

(۲) یا پھر وہ معاشرے بالکل ہی جہاد، جذبہ جہاد، حریت، غیرت اور تیاری سے عاری ہو کر محوِ عیاشی ہو جاتے ہیں۔ان کا کام صرف دنیا پرستی رہ جاتا ہے۔وہ صرف ناچنے، تھرکنے اور خواہشات نفسانیہ کے پیچھے بھاگتے رہنے کے خوگر ہو جاتے ہیں اور پھر جب ان پر دشمن ٹوٹ پڑتے ہیں اور ان کا وجود ہی خطرے سے دوچار ہو جاتا ہے تو وہ اسی طرح مدد کے لیے ادھر ادھر دیکھتے اور دوسروں کو پکارتے رہ جاتے ہیں۔ اپنے دفاع کے لیے وہ انہی لوگوں پر انحصار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جو قرآن کی رو سے ان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔صرف جان کے نہیں ایمان کے بھی دشمن۔ یہ دشمن مال بھی بٹور لیتے ہیں اور دفاع بھی نہیں کرتے، ایسے میں بالآخر اگر کوئی کام آتا بھی ہے تو کوئی اسلامی قوت ہی کام آتی ہے......

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

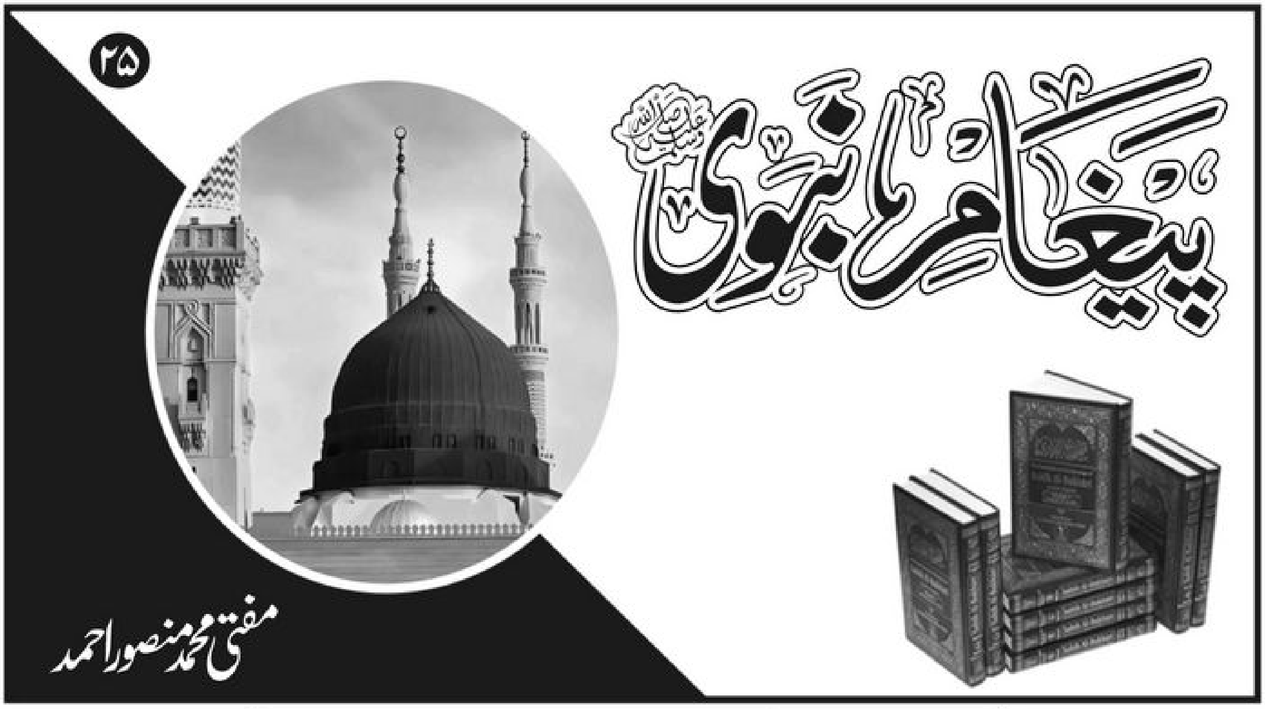

توجہ اور اہتمام کے ساتھ ہر میدان کو اس کا حق دیں!

أَرَغْبَةً عَنْ سُنَّتِي؟ (مسند البزاز: ۴۸)

کیا میری سنت سے منہ موڑ رہے ہو؟

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی خراب حالت اور پریشانی کو دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

عائشہ! خولہ کی حالت کس قدر خراب ہے!

انہوں نے عرض کیا: ان کے شوہر ان پر کوئی توجہ نہیں دیتے، وہ دن کو روزہ رکھ لیتے ہیں اور رات کو نمازیں پڑھتے ہیں اور ان کی حالت ایسی ہے گویا ان کا شوہر ہے ہی نہیں، اس لیے انہوں نے اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا اور اپنی حالت خراب کر رکھی ہے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پیغام بھیجا اور ان سے فرمایا:

کیا تم میری سنت سے منہ موڑ رہے ہو!

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے، بلکہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت ہی کا طلبگار ہوں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں تو رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، دن کو روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی رہتا ہوں اور اپنی بیویوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں، اللہ سے ڈرو اے عثمان! کیونکہ

تمہارے گھروالوں کا بھی تم پر حق ہے۔

☆ یہ دین اعتدال، توازن اور میانہ روی کا دین ہے، اس میں نہ حد سے تجاوز پایا جاتا ہے نہ حد سے کمی!

☆ اچھی بات کہ آپ کو عبادات کی توفیق ہو رہی ہو،لیکن یہ نہ بھولیں کہ آپ کے ساتھ گوشت پوست کے بنے لوگ رہتے ہیں!

☆ اچھی بات ہے کہ آپ تجارت کریں اور مالدار ہو جائیں لیکن مال جمع کرنے کی مشین نہ بنیں!

☆ اچھی بات ہے کہ آپ کو تعلیم وتہذیب اور پڑھنا لکھنا پسند ہے لیکن اپنی عقل کو دل سے غافل نہ ہونے دیں اور جو پڑھائی آپ کی حس اور ذوق کو زندہ نہ کرے وہ وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ نہیں!

☆ اچھی بات ہے کہ آپ کے کچھ دوست ہوں جن کے ساتھ آپ کبھی کبھی باہر چلیں جائیں، لیکن اپنی بیوی کو گھر کا سامان نہ سمجھیں!

☆ توجہ اور اہتمام کے ساتھ ہر میدان کو اس کا حق دیں!

☆ ایسے خودسر اور متکبر نہ بنیں کہ آپ چاہیں کہ پورا عالم آپ کے مدار میں گردش کرنا شروع کر دے!

دوسروں کے لئے باعثِ اذیت نہ بنیں!

فَلْيَدَعِ النَّاسَ مِنْ أَذَاهُ (شعب الایمان: ۳۰۵۵)

آدمی کو چاہیے کہ لوگوں کو اپنی اذیتوں سے محفوظ رکھے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے عمل کے بارے میں پوچھا جو آدمی کو جنت میں داخل کر دے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ایسے اعمال گنوانے لگے۔

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اگر کوئی آدمی ان اعمال کی ہمت نہ پائے!

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسے آدمی کو چاہیے کہ لوگوں کو اپنی اذیتوں سے محفوظ رکھے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی اذیتوں سے بچانا بھی عبادت ہے، لہٰذا ہمیشہ اس اصول پر زندگی گذاریں کہ اگر آپ لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو کسی کو نقصان بھی نہ پہنچائیں!

☆ جس فقیر کو آپ کچھ عطاء نہیں کر سکتے اس کی سچائی پر شک بھی نہ کریں!

☆ جس اختلاف کو حل کرنے کیلئے آپ کچھ مدد نہیں کر سکتے، اس کی آگ کو مزید بھڑکانے کیلئے تیل بھی

نہ ڈالیں!

☆ اگر آپ خیرات کرنے والے کا ساتھ نہیں دے سکتے تو اسے کوئی ناخوشگوار بات بھی نہ کہیں!

☆ اگر آپ قرآن کریم کے حفاظ کا دفاع نہیں کر سکتے تو ان کو شدت پسند بھی نہ کہیں!

☆ اگر آپ عورت ہو کر باپردہ خواتین کا دفاع نہیں کر سکتیں تو ان کو اُلجھے ہوئے مزاج والی بھی نہ کہیں!

☆ اپنے اوپر دو گناہوں کا بوجھ جمع نہ کریں:

ایک اطاعت نہ کرنے کا گناہ اور دوسرا عمل کرنے والوں کے درپے ہونے کا گناہ!

نرم دلی ایمان کے بعد سب سے بڑی دولت!

فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي (صحیح بخاری: ۷۰۹)

لیکن میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں۔

ایک دن نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ لمبی نماز پڑھانے کا ہوتا ہے، لیکن میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں، کیونکہ مجھے خیال ہوتا ہے کہ اس کی ماں اس کے رونے سے سخت بے چین ہوگی!

☆ ایمان کے بعد نرم دلی سے خوبصورت چیز کوئی نہیں جس سے کسی دل کو بھرا گیا ہو!

☆ اور مزید یہ بھی کہ ہر وہ ایمان جس میں نرمی نہیں وہ ناقص ہے!

☆ اللہ تعالیٰ ہر اس آدمی پر رحم فرمائے جو لوگوں پر رحم کرے اور نرمی سے پیش آئے!

☆ اللہ تعالیٰ اس استاذ پر رحم فرمائے جو اپنے شاگردوں کی پیٹھ پر زیادہ کام کا بوجھ نہیں ڈالتا!

☆ اللہ تعالیٰ اس مینجر پر رحم فرمائے جو اپنے ملازمین کو زیادہ احکام سے پریشان نہیں کرتا!

☆ اللہ تعالیٰ اس حاکم پر رحم فرمائے جو اپنی عوام کو ٹیکسوں کی زیادتی سے تھکائے نہیں!

☆ اللہ تعالیٰ س شوہر پر رحم کرے جو زیادہ ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنی بیوی کی صحت کو برباد نہ کرے!

☆ اللہ تعالیٰ اس بیوی پر رحم کرے جو زیادہ خریداری کر کے اپنے شوہر کو پریشان نہ کرے!

☆ دوسروں کے ساتھ مہربانی کرو، تمہارے ساتھ بھی مہربانی کی جائے گی، نرمی سے پیش آؤ تمہاری مدد کی جائے گی!

سچا منظرنامہ

مولانا زبیر طیب

اللہ تعالیٰ ہمیں نور عطاء فرمائیں......ہمیں روشنی عطاء فرمائیں...... اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی کامیابی عطاء فرمائیں......آمین

روشنی یا اندھیرا

ہزاروں لاکھوں لوگ ایک سمت میں جارہے ہیں۔ان سب کا رخ ایک طرف ہے۔ چلتے چلتے اب اندھیرا چھانے لگا ہے۔آس پاس روشنی کی کوئی سہولت نہیں۔اندھیرا بڑھتا جارہا ہے۔قافلہ اب بھی رواں دواں ہے،لیکن اندھیرے کی وجہ سے بہت سوں کی رفتار سست پڑ رہی ہے اور وہ آہستہ آہستہ قافلے سے پیچھے رہتے جارہے ہیں۔پیچھے رہ جانے والے حیرانی سے دیکھتے ہیں کہ اس قدر شدید اندھیرے میں یہ لوگ کیسے راستہ دیکھ رہے ہیں اور مسلسل آگے بڑھتے جارہے ہیں۔وہ آگے والوں سے پوچھتے ہیں کہ تمہیں راستہ کیسے دکھائی دے رہا ہے؟ جواب ملتا ہے ہمارے پاس روشنی ہے، اسی کے سہارے ہم چل رہے ہیں۔وہ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں۔حیران ہوتے ہیں کہ ہمارے پاس روشنی کیوں نہیں؟ ہم بھی تو اسی قافلے کا حصہ تھے، ہم بھی تو اسی راستے پر چل رہے تھے، پھر ہمارے پاس یہ روشنی کیوں نہیں؟ اب اندھیرا پوری طرح چھا چکا ہے۔ایسا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ایک جم غفیر ہے جو روشنی نہ ہونے کی وجہ سے رک چکا ہے۔کچھ لوگ جو ابھی کچھ دیر پہلے دوسروں کے ساتھ چل رہے تھے، اب بے بسی سے کھڑے ہیں۔نہ آگے کا راستہ دکھائی دے رہا ہے، نہ پیچھے پلٹنے کی کوئی صورت ہے۔ابھی وہ سوچ ہی رہے ہوتے ہیں کہ ایک دیوار درمیان میں حائل کر دی جاتی ہے۔وہ جو آگے جانے والے نظر آرہے تھے اب نظر نہیں آرہے اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ سب کے سب جن کے پاس روشنی نہیں ہوتی یا روشنی ہوتی تو ہے مگر اتنی کم کہ وہ راستہ نہیں دیکھ پاتے خود کو ایک اندھیرے گڑھے میں گرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔وہ چیختے ہیں،

چلاتے ہیں مگر کوئی ان کی پکار سننے والا موجود نہیں ہوتا۔ دیوار کے ایک طرف ''رحمت'' کاظہور شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ ابدی راحتوں کا ایک جہان کھل چکا ہوتا ہے۔ جبکہ دیوار کے دوسری طرف ''عذاب'' کاظہور ہو چکا ہوتا ہے۔ خوفناک اور دردناک عذاب......

یہ منظر کوئی ''فینٹسی'' نہیں ہے۔ ناہی یہ کوئی تخیل ہے۔ یہ سچی حقیقت ہے۔ یہ ایک سفر ہے۔ ایک ایسا سفر جو ہم سب نے طے کرنا ہے۔ یہ منظر ''پل صراط'' کا ہے۔ یہ منظر جنت اور جہنم کے راستے کا ہے۔ یہ منظر قیامت کا منظر ہے۔ یہ وہ دن ہے جب انسان پہلی مرتبہ پوری حقیقت کے ساتھ یہ جان لے گا کہ جس چیز کو وہ دنیا میں معمولی سمجھتا رہا، اصل میں وہی اس کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ایک ''روشنی'' ایک ''نور'' جو اس دن کا اس کا ساتھی بن سکتا۔ قرآن مجید ہمیں اس دن کا منظر سورۃ الحدید میں دکھاتا ہے: يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم (الحدید)

ترجمہ: جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔

ذرا اس منظر کو محسوس کیجیے۔ قیامت کا دن ہے۔ ہر طرف ہول اور اضطراب ہے۔ پچاس ہزار سالوں کے برابر ایک دن شروع ہو چکا ہے۔ سارے انسان ایک طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔ میزان اور حساب کتاب کا عمل شروع ہے۔ جنت اور جہنم کے فیصلے کا عظیم الشان دن ہے۔ پل صراط کا راستہ ہے۔ اس راستے پر وہی چل سکتا ہوگا جس کے پاس ''نور'' ہوگا، جس کے پاس ''روشنی'' ہوگی۔

''نور'' کہاں سے آیا!

منظر نامہ دوبارہ یاد کریں۔ اب ان دو گروہوں کے درمیان دیوار حائل ہوگئی ہے۔ چھانٹی ہو چکی ہے۔ اندر والے اندر پہنچ گئے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کاظہور شروع ہو چکا ہے جبکہ باہر والے باہر رہ گئے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کاظہور شروع ہو چکا ہے۔ تو باہر والے بڑے حیران ہوں گے کہ ہم کیسے باہر رہے گئے۔ جبکہ وہ لوگ جو اپنے نور کی بدولت اندر پہنچ چکے۔ دنیا میں تو ان کے پاس کوئی ایسا چراغ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بھی ہمارے جیسا ہی تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ہوتا تھا، عبادت کرتا تھا، گھر میں رہتا تھا، کاروبار کرتا تھا، خوشی اور غم سے گزرتا تھا۔ اس کے پاس بھی دو آنکھیں تھیں، ہمارے پاس بھی دو آنکھیں

ہیں۔ وہ بھی دنیا میں اندھیروں سے گزرا اور ہم بھی گزرتے تھے۔تو وہ حیران ہو کر ان اندر والوں سے پوچھیں گے اور آواز لگائیں گے۔ ''الم نکم معکم'' کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے۔کیا ہم ایک ساتھ نہیں رہتے تھے، کیا ہم اکٹھی نمازیں اور روزے نہیں رکھتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ تم اور ہم آج جدا کر دیئے گئے تم نعمتوں میں جبکہ ہم رسوا کر دیئے گئے۔

تو وہ اندر والے جواب دیں گے۔''قالو بلی'' کیوں نہیں بے شک ہم سب ساتھ تھے۔رجسٹر میں تو ہم سب مسلمان تھے۔اب وہ جو اندر والے ہیں وہ باہر والوں کو ان کی کچھ خامیاں بتائیں گے۔جس کی وجہ سے تم ''نور'' سے محروم کر دیئے گئے اور آج رسوا ہو گئے۔وہ خامیاں کیا تھیں؟

(۱)''فتنتم انفسکم'' سب سے پہلی خامی کہ تمہیں تمہارے نفس نے فتنے میں ڈال دیا۔یعنی تم ''دنیا کی محبت'' میں ایسے غرق ہوئے کہ فتنے میں مبتلا ہو گئے۔ یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔دنیا کی محبت کو دل میں ایسا پیوست کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور آخرت کی فکر کو پس پشت ڈال دیا گیا۔دنیا کی ایسی دوڑ میں پھنس کر رہ گئے کہ وہاں سے آخری وقت تک نکل ہی نا سکے۔

(۲)''وتربصتم'' اور تم گومگو کی کیفیت کا شکار ہو گئے۔یعنی ''ڈبل مائنڈڈ'' وہ جو دونوں طرف ہوتا ہے۔دونوں کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ یہ دوسری خامی بتائی کہ تم دنیا بھی چاہتے تھے اور آخرت بھی چاہتے تھے۔اب ایسا شخص عام طور پر کیا کرتا ہے جب حالات ساز گار ہوتے ہیں تو وہ آخرت کی محنت بھی کچھ کر لیتا ہے۔اور جب حالات ذرا سخت ہوئے اور دنیا ہاتھ سے جاتی دیکھی تو دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے۔یعنی ''تھالی کا بینگن'' جس طرف حالات کا رخ دیکھا تو اپنا رخ اُسی طرف موڑ لیا۔

(۳)''وارتبتم'' اور تم شک میں مبتلا ہو گئے۔یعنی آخرت کے دن اس بڑے دن کے بارے میں شک میں مبتلا ہو گئے کہ یار پتا نہیں ایسا کوئی دن ہوتا بھی ہے یا نہیں۔ یہ چند روزہ زندگی کے دن ہیں ان میں جتنی عیاشی کرتے ہیں کر لیتے ہیں اگر کوئی ایسا دن ہوا بھی تو وہاں کی وہاں دیکھی جائے گی۔خوامخواہ اسلام اور دین پر چل کر خود کو کیوں مصیبت میں مبتلا رکھیں اور خود کو پابندیوں میں جکڑے رکھیں۔شک میں مبتلا رہے کہ آخرت کے وعدے اور وعیدیں قصے کہانیاں (نعوذ باللہ) ہی ہیں۔اس سے زیادہ ان کی کچھ حقیقت نہیں۔

(۴)''وغرتکم الامانی'' اور تمہیں دھوکہ میں رکھا تمہاری ''امانی'' نے۔یعنی تمہاری ''خوش

گمانیاں"، کہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہیں، اللہ تعالیٰ تو مہربان ہیں، اللہ تعالیٰ تو بخشنے والے ہیں وہ کیوں عذاب دیں گے؟ چنانچہ اسی خوش گمانی میں وہ مگن رہا کہ پہلے یہ بھی کرلوں، وہ بھی کرلوں پھر بعد میں اللہ اللہ کرلوں گا اور بعد میں کچھ نیک اعمال کرلوں گا۔ ابھی کیا جلدی ہے اور ابھی کون سا جانے کا وقت آ گیا ہے اور ابھی تو ساری عمر پڑی ہے۔ چنانچہ اسی دھوکہ میں پڑا رہا اور پھر وہ دن جس کا وعدہ تھا وہ آن پہنچا۔

اب آپ ایک لمحے کو رکیں اور سوچیں کہ ایک گروہ جو ابتدا میں مسلمانوں کے ساتھ چل رہا تھا مگر اس کا انجام کفار کے ساتھ ہو گیا۔ کیا اب بھی ہمیں سمجھنے اور سنبھلنے کی ضرورت نہیں ہے؟ یہ مکالمہ جو ابھی ذکر کیا یہ کائنات کی سب سے سچی ترین کتاب میں مذکور ہے۔ یہ مکالمہ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔

اس دن "نور" والے کامیاب ہو جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اندر ایمان کی روشنی کو بجھنے نہیں دیا۔ انہوں نے شک کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا، انہوں نے ایک راستے کا انتخاب کیا۔ نماز کو صرف ایک رسم نہیں سمجھا۔ انہوں نے قرآن مجید کو صرف ایک کتاب نہیں سمجھا۔ انہوں نے حلال وحرام کو صرف معاشرتی اصطلاحات نہیں سمجھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نگرانی کو حقیقت سمجھا۔ انہوں نے کسی کے سامنے نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونے کا یقین رکھا۔ انہوں نے اپنی دولت میں دوسروں کا حق پہچانا۔ انہوں نے تکلیف کے وقت صبر کیا۔ انہوں نے نعمت کے وقت شکر کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخری منزل نہیں سمجھا۔ انہوں نے اس دن کی "سعی" پر ایسا کامل یقین رکھا کہ آج ان کا یہ یقین "نور" کی شکل میں اس کے آگے ہوگا۔ گویا قیامت کے دن جو روشنی ہمیں راستہ دکھائے گی، اس کا تعلق "آج" کی زندگی سے ہے۔ آج کی زندگی میں یہی "اعمال صالحہ" درحقیقت نور بننے والے ہیں۔

جبکہ دوسری طرف وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس یہ "نور" نہیں ہوگا۔ وہی قافلہ، وہی میدان، وہی قیامت، وہی اندھیرا، مگر انجام مختلف۔ قرآن آگے بتاتا ہے کہ اس وقت اہلِ ایمان سے کہا جائے گا: بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ یعنی آج تمہارے لیے خوشخبری ہے۔

کتنی عجیب بات ہے! دنیا میں ہم خوشخبریاں سننے کے لیے کتنے جتن کرتے ہیں۔ کبھی کسی امتحان میں کامیابی کی خوشخبری، کبھی اولاد کی، کبھی کاروبار کے منافع کی، کبھی کسی بیماری سے صحت کی۔ مگر وہ سب خوشخبریاں چند سال، چند ماہ یا چند دن کی تھیں۔ جبکہ یہ خوشخبری ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ تمہارے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور پھر فرمایا: خٰلِدِيْنَ

فِیۡهَا تم ان میں ہمیشہ رہو گے۔ دنیا کی سب سے بڑی محرومی یہ ہوتی ہے کہ یہاں کوئی نعمت ہمیشہ کے لیے نہیں۔ انسان جس چیز کو حاصل کرتا ہے، ایک دن اسے چھوڑنا پڑتا ہے۔ جس گھر کو بڑی محنت سے بناتا ہے، وہ گھر پیچھے رہ جاتا ہے۔ جس مال کو جمع کرتا ہے، وہ کسی اور کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ جن لوگوں سے محبت کرتا ہے، ان سے جدائی ہو جاتی ہے۔ لیکن جنت میں نعمت بھی ہے اور اس نعمت کا زوال بھی نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

بڑی کامیابی

قرآن کہتا ہے یہ ''نور'' والے کامیاب ہیں۔ یہی درحقیقت کامیاب ہیں۔ دنیا میں چاہے آپ جتنے دولت مند ہو جائیں، جتنے بڑے عہدے پر براجمان رہے ہوں، کتنی ہی خلقت پر آپ نے حکمرانی کی ہو، کتنے ہی بڑے علم اور عقل والے کیوں نا ہوں۔ اس وقت یہ سب کچھ کام نہ آئے گا اگر ''نور'' پاس نہیں ہوگا تو ناکام ہیں

ہم نے اس دنیا میں کامیابی کے معنی شاید کچھ اور سمجھ لیے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کامیابی یہ ہے کہ لوگ ہمیں پہچانیں جبکہ قرآن کہتا ہے کہ کامیابی یہ ہے کہ قیامت میں تمہیں پہچانا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کامیابی یہ ہے کہ ہمارے پاس مال و دولت کی بہتات ہو جبکہ قرآن کہتا ہے کہ کامیابی یہ ہے کہ اس دن تمہارے پاس ''نور'' ہو۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کامیابی یہ ہے کہ ہم دنیا میں دوسروں سے آگے نکل جائیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اصل کامیابی یہ ہے کہ قیامت کے سفر میں تمہارا ''نور'' تمہارے آگے چل رہا ہو اور تم دوسروں سے آگے بڑھ جاؤ۔

ابھی وقت ہے۔ ابھی ہم دنیا میں ہیں۔ ابھی روشنی پیدا کی جا سکتی ہے۔ رسمی مسلمان سے ہٹ کر حقیقی مومن بنا جا سکتا ہے۔ ابھی دنیا کی محبت کو دل سے نکالا جا سکتا ہے۔ ابھی شک کو چھوڑ کر یقین کی طرف پلٹا جا سکتا ہے۔ ابھی گومگو کی کیفیت سے نکل کر ایک راستے کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ ابھی اپنے رب کی طرف پلٹا جا سکتا ہے۔ ابھی محنت کی جا سکتی ہے۔ ابھی اپنی ''پوٹلی'' بھری جا سکتی ہے۔ کیونکہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا اور یقیناً آئے گا جب اندھیرا مکمل پھیل ہو چکا ہوگا اور انسان کے پاس نہ چراغ خریدنے کا وقت ہوگا، نہ راستہ بدلنے کا موقع، نہ واپس پلٹنے کا کوئی طریقہ۔ اس دن صرف وہی روشنی کام آئے گی جو دنیا میں ایمان اور عمل کے ذریعے پیدا کی گئی ہوگی اور پھر قیامت کے اس جم غفیر میں، جب بے شمار لوگ اندھیرے میں راستہ تلاش کر رہے ہوں گے جبکہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا نور ان کے آگے آگے دوڑ رہا ہوگا اور وہ جنت کی

طرف بھاگتے چلے جارہے ہوں گے۔وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھیں گے۔وہ راستہ تلاش نہیں کریں گے۔وہ حیران نہیں ہوں گے۔کیونکہ ان کے پاس روشنی ہوگی۔اس وقت وہ سب سے ''عظیم کامیاب'' لوگ ہوں گے۔خوش قسمت ترین لوگ اور پیارے اللہ تعالیٰ کی میزبانی کے اصل مستحق لوگ!

اس دن یہ لوگ جانیں گے کہ وہ سجدہ بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔وہ آنسو بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔وہ صدقہ بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔وہ صبر بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔وہ گناہ جسے اللہ کے خوف سے چھوڑا تھا،وہ بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔وہ سخت گرمی میں دین کے لئے کی گئی محنت ضائع نہیں ہوئی تھی۔وہ مشقت اور تکلیف بھی ضائع نہیں ہوئی تھی جو ہم نے دین کی خاطر کاٹی۔جیلیں ہتھکڑیاں ،قید و بند کی صعوبتیں بھی ضائع نہیں ہوئی تھی۔وہ جوانیاں جو سلاخوں کے پیچھے ختم ہوتی چلی جارہی ہیں یقین مانیں کہ کچھ بھی ضائع نہیں ہو رہا تھا۔سب کچھ جمع ہو رہا تھا۔پس خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے ایک دن یہ سب مل کر''نور'' بننے والا ہے۔اور پھر جب اِن پیاروں کو نوازا جارہا ہوگا تو لوگ کہیں گے کاش ہمیں دنیا میں قینچیوں اور آریوں سے چیر دیا جاتا اور اس کے بدلے ہمیں یہ نعمتیں مل جاتیں۔

بقیہ: اصل طریقہ

لیکن سوچیئے اگر یہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ،جہاد کا پیغام عام کرتے، اپنی نسلوں کی تربیت کا اسے لازمی حصہ بناتے تو حیّ علی الجہاد کی آواز سنتے ہی اور ملک وقوم کو خطرے میں دیکھتے ہی انہی کے گھروں سے وہ لشکر نکل آتے کہ گدھوں کی طرح گھاس چباتے رہنے کے عادی نسلِ مجوس کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہوتا۔اب تک جن پر تکیہ کیا جاتا رہا ہے انہوں نے تو صاف جواب بھیج دیا ہے

کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

دعوتِ ایمان اور آخری زمانے کا جہاد

مولانا محمد نعمان خلیل

اللہ تعالیٰ ہمیں دین مبین کا سچا اور حقیقی داعی بنائیں۔

سب سے بڑی دعوت ایمان کی دعوت ہے، سب سے مبارک اور معطر دعوت اسلام کی دعوت ہے، سب سے ضروری اور بنیادی دعوت، کلمہ "لاالہ الا اللہ" کی دعوت ہے، یہی دعوت تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام لائے، اسی دعوت پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ہجرتیں اور جدائیاں برداشت کیں، اسی دعوت پر وہ طرح طرح کے سخت حالات اور تکالیف سے دو چار ہوئے، اسی دعوت پر انہوں نے جہاد و قتال کیا، اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب، آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی دعوت لائے، جو الحمدللہ چار دانگِ عالَم میں پھیلی، اس دعوت کے میدان میں انہیں زخم کھانے پڑے، لہولہان ہوئے، گردن دبوچی گئی، جسمِ اطہر پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی گئی حتی کہ اپنے آبائی محبوب ترین شہر مکہ مکرمہ سے ہجرت پر بھی مجبور ہوئے، اور پھر اسی دعوت کی تکمیل کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانوں کی طرف نکلے۔ بدر کا عظیم الشان معرکہ لڑا۔ احد میں زخمی ہوئے۔ احزاب کی محصوری میں اللہ تعالیٰ کی کفایت پائی۔ خیبر کی غنائم حاصل کیں۔ مکہ مکرمہ فتح فرمایا۔ حنین کے فاتح بنے اور تبوک کا طویل ترین اور سخت ترین سفر فرمایا۔

دعوتِ ایمان قرآنی فریضہ:

کفار کو دین اسلام کی دعوت دینا قرآن مجید کا حکم، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور دین اسلام کا شرعی فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ [القصص:87]

اپنے رب کی طرف بلاؤ! اور مشرکین میں سے مت ہو جاؤ!

دوسری آیت کریمہ میں ہے:

قُلۡ هٰذِهٖ سَبِيۡلِىۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيۡرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىۡ وَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ [یوسف:108]

ترجمہ: (اے نبی کہہ دیجیے!) یہ میرا راستہ ہے، میں اور میرے متبعین مکمل یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ (کی توحید) کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات پاک و بلند تر ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت کریمہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی متبعین کی علامت یہ بتائی ہے کہ وہ ایمان کی دعوت یقینِ محکم سے دیتے ہیں اور شرک سے برائت کا اعلان کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ایمان کی دعوت دے، عظیم مفسر، علامہ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیتِ کریمہ کے تحت یہ قول نقل فرماتے ہیں:

قال: وحقٌّ والله على من اتّبعه أن يدعو إلى ما دعا إليه، ويذكّر بالقرآن والموعظة، وينهى عن معاصي الله. (تفسیر الطبری)

اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع پر یہ لازم ہے کہ وہ ان چیزوں کی طرف دعوت دے، جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی اور قرآن کریم اور نصیحت کے ذریعہ راہ نمائی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روکتا رہے۔

خیر امت ہونے کی شرائط:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر الامۃ یعنی سب سے افضل، سب سے بہتر اور سب سے زیادہ خیر والی امت قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ (سورۃ آلِ عمران: ۱۱۰)

تم افضل ترین امت ہو، جسے لوگوں (کی ہدایت) کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

مفسرین عظام نے اس آیت کریمہ کی تفسیر بہت جم کر فرمائی ہے اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ایسے

ایسے اقوال نقل فرمائے ہیں کہ ایک مؤمن کی روح خوشی سے جھوم اٹھے اور بلندیوں کی طرف پرواز کرنے لگے اور دنیا و آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اس امت کو جو خیر و برکات اور مقام و درجات ملنے والے ہیں، ان کا روح پرور تذکرہ کیا ہے، اہل علم اور اہل مطالعہ تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر کی طرف مراجعت فرمالیں۔ یہاں یہ بات بیان کرنا مقصود ہے کہ ان تمام دنیوی اور اخروی خیر و برکات کا حصول اسی آیت کریمہ میں تین چیزوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، یعنی اگر امت ان تین چیزوں پر قائم رہی، تو پھر یہ تمام خیریں اس کے مقدر ہوں گی:

(۱) امر بالمعروف (۲) نہی المنکر (۳) ایمان باللہ۔

"تفسیر طبری" اور "تفسیر ابن کثیر" میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

جو خیر امت میں شریک ہونا چاہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی شرائط اداء کرے، اور پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر)

"دعوتِ ایمان" اور "قتال فی سبیل اللہ" آپس میں لازم ملزوم:

ترجمان القرآن حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما "امر بالمعروف" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "کلمہ لاالہ الااللہ" کی دعوت دینا اور نہ ماننے کی صورت میں کفار سے "قتال" کرنا ہے، کیونکہ سب سے بڑی نیکی اور معروف "لاالہ الااللہ" ہے اور نہی عن المنکر سے مراد شرک سے روکنا ہے، جو کہ سب سے بڑا منکر ہے (تفسیر طبری)۔

معلوم ہوا کہ "امر بالمعروف" کا اول ترین درجہ وہ "دعوتِ ایمان" ہے، جس کی پشت پر "قتال فی سبیل اللہ" کی طاقت ہو، اسی طرح اس تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "دعوتِ ایمان" اور "قتال فی سبیل اللہ" آپس میں لازم ملزوم ہیں، یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، بلکہ یہ دونوں ایک دوسری کی تکمیل ہیں، دعوت کے بغیر قتال نہیں ہوسکتا اور قتال کے بغیر دعوت نامکمل رہتی ہے، اگرچہ اس کی عملی صورتیں زمانے اور وقت کے اعتبار سے بدلتی رہی ہیں۔

آخری زمانے کے نومسلم فاتح مجاھدین:

دعوتِ ایمان کا یہ سلسلہ حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چلتا ہوا نبی آخر الزمان حضرت سیدنا و مولانا محمد

رسول اللہ ﷺ پر پہنچا اور اب آپ کے بعد یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا اور یقیناً "دعوتِ ایمان" اور "قتال فی سبیل اللہ" اپنے جوڑ اور تلازم کے ساتھ ہمیشہ باقی رہیں گے کیوں کہ صحیح روایات میں قربِ قیامت کی جنگوں اور فتوحات میں نومسلم فاتح مجاہدین کی کثرت بتائی گئی ہے، صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَغْزُوَهَا سَبْعُونَ أَلْفًا مِنْ بَنِي إِسْحَاقَ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۹۲۰)

ترجمہ: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک (قسطنطنیہ پر) بنو اسحاق (یعنی نومسلم) کے ستر ہزار افراد جہاد نہ کرلیں۔

یہ اُس طویل روایت کا ایک ٹکڑا ہے، جس میں قسطنطنیہ کی دوسری فتح کی خوش خبری اور فتح کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

اس پوری روایت کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے کے نومسلمین کا جہاد فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور یہ نومسلم مجاہدین اس قدر ایمانی طاقت، جہادی قوت اور رب العالمین کی نصرت رکھتے ہوں گے کہ ان کے فقط نعرہ تکبیر سے ہی قسطنطنیہ کی دیواریں گرتی چلی جائیں گی۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آخری زمانے کے جہاد کے لیے "دعوتِ ایمان" کس قدر ضروری ہے۔

شعبہ دعوتِ ایمان:

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے جماعت کو جن امتیازات وخصوصیات سے نوازا ہے، ان میں ایک اہم ترین خصوصیت جہاد اور دعوتِ جہاد کے ساتھ ساتھ "شعبہ دعوتِ ایمان" کا قیام ہے، یہ شعبہ مدتِ قیام کے اعتبار سے اگرچہ نووارد معلوم ہوتا ہے، لیکن اپنی حسنِ کارکردگی اور "دعوتِ ایمان" کی برکات سے مالا مال نظر آتا ہے۔ اس شعبہ کے قیام کا بنیادی مقصد جہاد کو دعوت کے ساتھ جوڑنا اور دعوت کو جہاد کا سہارا دینا ہے اور آخری زمانے کے مجاہدین اور نومسلم فاتحین تیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ داعی اسلام حضرت امیر محترم حفظہ اللہ تعالیٰ کی دوراندیشی اور وسعتِ نظر میں مزید برکتیں نصیب فرمائیں، اس شعبہ کو اپنے عظیم مقاصد میں کامیابی عطاء فرمائیں اور حضرت حفظہ اللہ تعالیٰ اور اس شعبہ پر اپنی نصرت، حفاظت اور کفایت کا سایہ ہمیشہ باقی رکھیں۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علی النبی الامی الکریم

گوشہ مؤمنات

ام محمد

پہلا قدم

اللہ تعالیٰ ہم سب کو پاکیزگی، حیا اور تقویٰ والی زندگی نصیب فرمائیں۔آمین ثم آمین یارب العالمین!

مؤمن عورتوں کی اصل خوبصورتی پاکیزہ دل، پاکیزہ زبان اور پاکیزہ اعمال ہی ہیں۔ پاکیزگی کے لیے اسلام نے ہمیں ایک نہایت خوبصورت اور بابرکت عمل عطا فرمایا ہے...وضو....!

وضو ایک عظیم عبادت، روح کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔جو شخص ہر وقت باوضو رہنے کی عادت بنالے، اس کی زندگی میں بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

”بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“(سورۃ البقرہ)

باوضو رہنا ظاہری اور باطنی پاکیزگی ہے، اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ بندوں سے محبت کرتا ہے۔بہت افسوس ہوتا ہے جب آج کے دور میں اسلام کے اس حسین عمل کو ہماری زندگیوں سے دور ہوتا دیکھتی ہوں۔ہم نے وضو کو صرف قرآنِ کریم کی تلاوت اور نماز تک محدود کر دیا ہے، حالانکہ یہ پورے دن کی پاکیزگی اور طہارت ہے۔نماز کے بعد ہم بے وضو رہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے، شاید یہی غفلت ہماری زندگیوں سے برکت اور حیا کی مٹھاس کم کرتی جارہی ہے۔ایک عورت کا ہمیشہ سنورا ہوا اور خوبصورت نظر آنا یقیناً اچھا لگتا ہے، مگر کیا فائدہ کہ ہم چہرے پر اتنا میک اَپ کر کے اسے حسین وجمیل بنالیں، اور بے وضو ہوں؟ پھر بھلا ایسی خوبصورتی، خوبصورتی کہاں رہ جاتی ہے؟

ہماری اسلامی تاریخ میں ایسی باکمال عورتوں کی مثالیں ملتی ہیں کہ آج ہم حیرت سے سوچتے ہیں، وہ کیسی پاکیزہ نفوس تھیں جو حتیٰ الامکان باوضو رہتیں، وضو کے بغیر روٹی پکانا اور اپنے بچوں کو دودھ پلانا بھی پسند نہ کرتیں۔ان کے لیے پاکیزگی محض ایک عمل نہیں، زندگی کا حصہ تھی۔انہی ماؤں کی گودوں میں وہ

نسلیں پروان چڑھیں جن کے کردار میں حیا، دل میں تقویٰ اور زندگی میں اللہ تعالیٰ کی محبت نمایاں تھی۔ شاید اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ پاکیزہ مائیں ہی پاکیزہ نسلوں کی پہلی درسگاہ ہوتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”جب مؤمن وضو کرتے ہوئے چہرہ دھوتا ہے تو آنکھوں سے کیے ہوئے گناہ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں، ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کے گناہ اور پاؤں دھونے سے ان گناہوں کا اثر نکل جاتا ہے جن کی طرف قدم چل کر گئے تھے، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر نکلتا ہے۔“ (صحیح مسلم)

سوچیے! جس وضو کے ہر قطرے کے ساتھ گناہ جھڑتے ہوں، کتنی بڑی نعمت ہے کہ ایک مختصر سا دکھائی دینے والا عمل بھی ہمارے لیے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ ”وضو کی پابندی صرف مؤمن ہی کرتا ہے۔“ (سنن ابن ماجہ)

”وضو“ کی حفاظت کو ایمان سے جوڑ دیا گیا۔ کیوں نہ ہم بھی اسے اپنی زندگی کی ایک خوبصورت عادت بنا لیں؟ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو دیکھیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک رات جنت میں ان کے قدموں کی آہٹ سنی تو صبح ان سے پوچھا: ”اے بلال! تم ایسا کون سا عمل کرتے ہو جس سے تمہیں سب سے زیادہ امید ہے؟“ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: ”میں جب بھی دن یا رات میں مکمل وضو کرتا ہوں، اس وضو سے جتنی نماز میرے لیے مقدر ہوتی ہے، پڑھ لیتا ہوں۔“

یہ تھا وضو سے ان کا تعلق! وضو ان کے لیے محض نماز کی تیاری نہیں تھا، بلکہ ایسا محبوب عمل تھا جسے وہ دن اور رات کی زندگی کا حصہ بنائے رکھتے تھے۔ وضو گناہوں سے روکتا ہے یہ ایک طرح کی روحانی ڈھال ہے۔ جب انسان کو معلوم ہو گا کہ میں باوضو ہوں تو غیبت، جھوٹ، اور برے کاموں سے خود بخود بچتا ہے۔ وضو ٹوٹنے کے بعد دوبارہ وضو کر لینا اپنے رب کی طرف ایک خاموش سا رجوع ہے۔ صالحین کا تجربہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہنے سے رزق میں کشادگی ہوتی ہے، غربت دور ہوتی ہے اور چہرے پر ایک خاص نور اور رونق آجاتی ہے۔ انسان کی بات میں تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ باوضو رہنے سے عبادت میں ایک خاص لذت محسوس ہوتی ہے، روح کو سکون ملتا ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی یاد سے جڑا رہتا ہے۔ پاکیزگی کی یہ کیفیت شیطان کے وسوسوں اور اس کے اثرات سے بچنے میں بھی مددگار بنتی ہے، اور انسان خود بخود بہت سی نامعلوم اور تکلیف

دہ کیفیات سے محفوظ رہ جاتا ہے۔وضو روح کی پاکیزگی اور سکون کا ذریعہ تو ہے ہی جسم کی صحت کا بھی بہترین علاج ہے۔

جدید سائنس نے وہی باتیں ثابت کی ہیں جو اسلام نے 1400 سال پہلے بتائیں۔باوضو سونے والا شخص پر سکون سوتا ہے۔وضو کے بعد جسم کا درجہ حرارت نارمل ہو جاتا ہے، جس سے گہری اور میٹھی نیند آتی ہے اور برے خوابوں سے بھی حفاظت رہتی ہے۔بلڈ پریشر، ڈپریشن جیسے امراض کی بھی شکایت بھی کم ہو جاتی ہے طبی لحاظ سے اور بھی بہت فوائد ہیں۔دیکھنے میں یہ ایک چھوٹا سا عمل ہے، مگر اس کے دامن میں خیر کی کتنی ہی راہیں پوشیدہ ہیں۔کیوں نہ ہم بھی اپنی گھریلو ذمہ داریاں اور دن بھر کی مصروفیات کے دوران وضو کی حالت کو اختیار کر لیں تاکہ ہماری روزمرہ زندگی میں بھی عبادت کی ایک خوبصورت کیفیت پیدا ہو جائے۔ہر اچھا عمل نیکی بن جائے۔

چلیں پھر آج سے اپنی نیکیوں میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔اگر وضو ٹوٹ جائے اور سہولت ہو تو دوبارہ وضو کر لیں گی اور پورا دن باوضو رہنے کی کوشش کریں گی۔شروع شروع میں کچھ مشقت ضرور ہوگی، مگر آہستہ آہستہ یہی معمول دل کو اچھا لگنے لگے گا اور اس میں مزا آنے لگے گا۔اگر مستقل مزاجی سے اس معمول کو اپنائے رکھیں تو بہت جلد باوضو رہنا عادت بن جاتا ہے، اور پھر یہ کیفیت دل کو ایسی بھانے لگتی ہے کہ کچھ دیر وضو کے بغیر گزرنے لگے تو دل میں ایک عجیب سی بے قراری محسوس ہونے لگتی ہے، جیسے روح دوبارہ اسی پاکیزگی کی کیفیت کی طلبگار ہو جس میں اسے سکون میسر آتا ہے۔یہ بظاہر ایک چھوٹا سا عمل ہے، مگر یقیناً اس کا اجر بہت بڑا ہے، اور اس کے اثرات تو خود ہی محسوس ہوں گے، اِن شاء اللہ۔

یاد رکھیں! جب ہم چھوٹے چھوٹے نیک اعمال کو مستقل مزاجی سے اپنی زندگی کا حصہ بناتے ہیں تو نیکی پر قدم مضبوط ہونے لگتے ہیں، اور پھر اِن شاء اللہ بڑے اعمال کی طرف بڑھنا بھی آسان ہوتا چلا جاتا ہے۔کیونکہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سفر ایک قطرۂ آب سے شروع ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کی توفیق عطاء فرمائیں اور ہر نیکی پر ثابت قدمی نصیب فرمائیں۔آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ تَمَامَ الْوُضُوءِ، وَتَمَامَ الصَّلٰوةِ، وَتَمَامَ رِضْوَانِكَ، وَتَمَامَ مَغْفِرَتِكَ

امیر المؤمنین خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کا ایک ایسا روشن ستارہ ہیں جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ عدی سے منسلک ہیں، جن کے جدِ امجد کعب بن لوی قبیلہ قریش کے بھی جد اعلیٰ ہیں۔ اس مناسبت سے آپ کا شجرہ نسب نویں پشت اور بعض کے ہاں آٹھویں پشت میں آقا مدنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان شرف ونیابت اور عظمت وتوقیر میں انتہائی اونچا مقام ومرتبہ رکھتا تھا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ اسلام لے آئے تو اہل مکہ کے سرداران کہنے لگے: اَلْیَوْمَ قَدِ انْتَصَفَ الْقَوْمُ مِنَّا یعنی آج کے دن ہماری قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ راجح قول کے مطابق آپ کی پیدائش نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے تیرہ سال بعد مکہ مکرمہ ہوئی۔

سلسلہ نسب:

آپ کا نام عمر، والد کا نام خطاب، لقب فاروق اور کنیت ابو حفص ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک (مستدرک حاکم)

فاروق لقب کی وجہ:

آپ کو آقا مدنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے "فاروق" کا لقب عطاء کیا گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ میں اسلام قبول فرمایا اور اس کے بعد اپنے مشرک ماموں عاص بن وائل کی پناہ میں آنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ بیت اللہ میں نماز ادا کی۔ اس کے صلے میں دربار نبوت سے فاروق کا لقب ملا۔ جس کے معنی ہیں حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔

فضائل حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ:

عرب میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہیں تھا، لیکن آپ ان 17 افراد میں شامل تھے، جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو کاتبِ وحی جیسا عظیم منصب عطاء فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتدائی دِنوں کے کاتبین وحی میں سے ایک تھے اور انہوں نے ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بااصرار کلامِ پاک کی تدوین پر آمادہ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ یعنی ان صحابہ کرام میں بھی ہوتا ہے، جن کے جنتی ہونے کی ایک ہی مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بشارت دی۔ معراج کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جنت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا محل بھی دیکھا تھا۔ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے بعد سب سے افضل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔

عمومی سیرت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ بہترین انتظامی صلاحیتوں، اعلیٰ اوصاف، دبنگ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ ظہورِ اسلام کے وقت، اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، لیکن جب اسلام قبول کرلیا، تو پھر اپنا تن، من، دھن سب اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ سخت مزاجی کے باوجود، عاجزی، انکساری، تواضع اور عدل، مزاج کا حصہ تھے۔ خلافت کا بوجھ کندھوں پر آیا، تو گریہ اور رِقت میں اضافہ ہوگیا۔ شب کی تنہائیوں میں رب کے حضور آنسو بہانا اور گڑ گڑانا ان کا معمول تھا۔

موافقاتِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میرے رب نے تین مواقع پر میری رائے سے اتفاق کیا۔

(1) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کاش ہم مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بناتے، جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرۃ میں فرمادیا اور مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک مرتبہ اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش! اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کا حکم آجائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ خود کہتے ہیں کہ جب میرا گزر مقام ابراہیم پر ہوا تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا کہ کیا ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کھڑے ہونے کی جگہ کے پیچھے نماز پڑھیں؟ ابھی اس بات پر تھوڑا سا وقت بھی نہ گزرا تھا کہ یہ آیت اتری اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس

خواہش کو پورا فرمایا: وَاتَّخِذُوْامِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی (سورۃ البقرہ، آیت 125) ترجمہ: اور بناؤ ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ۔

(2) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم دیجیے۔ تو اللہ نے سورۃ احزاب میں فرما دیا: یاایھا النبی.... غفورا رحیما (سورۃ احزاب، آیت: 59) ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرمادیں کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے اوپر ڈالے رکھیں، یہ اس سے زیادہ نزدیک ہے کہ وہ پہچانی جائیں تو انہیں ستایا نہ جائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(3) غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں میری رائے تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے (فدیہ نہ لیا جائے) اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں میری رائے کی تائید کر دی، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ما کان لِنبِی ان یکون له اسریٰ... و الله عزِیز حکِیم (سورۃ الانفال، آیت 59) ترجمہ: کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔ تم لوگ دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (بخاری، مسلم)

اس روایت میں تین موافقات کا ذکر ہے، جس سے بقیہ کی نفی نہیں ہوتی، اسی تناظر میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً بیس بائیس مقامات ایسے ہیں، جہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پروردگار کی منشا کے عین موافق تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرتِ مدینہ:

ایک صبح نمازِ فجر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ ہجرت کا حکم دیا۔ عام خیال تھا کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر مدینہ ہجرت کر جائیں گے، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حکم ملتے ہی حضرت عمر گھر گئے، جسم پر ہتھیار سجائے، ہاتھ میں ننگی تلوار پکڑی اور تن تنہا خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ اس وقت مشرکین کے سردار اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا سات بار طواف کیا۔ مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نفل ادا کیے۔ پھر ہاتھ میں تلوار پکڑ کر سردارانِ قریش کی مجلس میں تشریف لائے اور نہایت بارعب اور بلند آواز میں کہا اے دشمنانِ اسلام! تمہارے چہرے سیاہ ہو جائیں۔ اللہ تمہاری ناک خاک آلود کر دے۔ جان لو! عمر

مکے سے مدینہ ہجرت کر رہا ہے۔ تم میں سے جو شخص اپنی جان کا دشمن ہو، ماں کو روتا، بیوی کو بیوہ اور بچوں کو یتیم چھوڑے، وہ حرم سے باہر مجھ سے نبرد آزما ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر کے رعب و دبدبے اور ہیبت کا یہ عالم تھا کہ کسی میں اپنی جگہ سے ہلنے اور انہیں روکنے کی ہمت نہ تھی۔

غزوات میں شرکت:

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن بھی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ غزوۂ بدر میں اپنے سگے ماموں سمیت دیگر عزیز و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے دنیا بھر کو یہ پیغام دیا کہ اصل رشتہ، دین کا رشتہ ہے۔

خلافت راشدہ:

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب محسوس کیا کہ اب آپ کا سفر آخرت قریب ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے بعد خلافت کا معاملہ اختلاف کی نذر ہو جائے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے، لہٰذا خود ہی خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حضرت عمر کے مقابلے میں کوئی دوسرا شخص اس منصب کے لئے بہتر نہ تھا، چنانچہ آپ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، بلا کر اس بارے میں، مشورہ چاہا۔ آپ نے فرمایا: جس قدر اُن کے بارے میں، آپ کا حسن ظن ہے، وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں، البتہ ان کے مزاج میں ذرا سختی ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ سختی اس لیے ہے کہ مجھ کو نرم دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب ساری ذمے داری ان کے کندھوں پر آجائے گی تو نرم پڑ جائیں گے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اس بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا: عمر کا باطن، عمر کے ظاہر سے بھی زیادہ اچھا ہے اور اب ہم میں ان کی مثل کوئی نہیں ہے۔ بہر حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی علالت کے دوران ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے عہد نامۂ خلافت لکھوایا جو مجمع عام میں پڑھا گیا۔

خلافت کے بعد کے معمولات:

خلیفہ بننے کے بعد راتوں کو اٹھ کر رعایا کی خبر گیری کرتے، ان کی خدمت کرتے اور انہیں پتا بھی نہ چلتا کہ جو شخص رحمت کا فرشتہ بن کر رات کی تاریکیوں میں ان کے دکھوں کا مداوا کر رہا ہے، وہ کوئی اور نہیں، خود

امیر المومنین، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک کتا یا بکری کا بچہ بھی بھوکا مر گیا، تو روزِ قیامت، عمر سے جواب طلب ہوگا۔اپنے دورِ خلافت میں عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کیا کہ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ پانی پینے لگے۔زبان و بیان کی آزادی اور بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ ایک بدو بھی بھری مجلس میں اٹھ کر سوال کر دیتا کہ امیر المومنین! آپ جو کرتا پہنے ہوئے ہیں، اس کے لیے کپڑا کہاں سے آیا، اور عظیم الشان مملکتِ اسلامیہ کا سربراہ، اس بدو کو مطمئن کرنے کا پابند تھا۔آپ نے دنیا کو عدل سے بھر دیا۔اس لیے پوری دنیا میں عدلِ فاروقی ہمیشہ کے لیے ضرب المثل بن گیا۔

فتوحات حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ:

علمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں یہ بات موجود تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سبب اللہ اسلامی ریاست کو فتوحات سے نوازے گا اور یہ فیض عہدِ عمر میں عرب وعجم تک منتقل ہوگا۔فرمان عالی شان: فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا أَحْسَنَ نَزْعًا مِنْ عُمَرَ اس بات کا شعور پیدا کرتا ہے کہ عمر سے بہتر مہارت سے یہ کام کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خداداد صلاحیتوں اور آپ کی شخصیت کی جامعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔

چنانچہ خلافت عمر میں مملکت اسلامیہ کا رقبہ بائیس لاکھ اکاون ہزار تیس (22,51,030) مربع میل پر پھیل گیا۔آپ کے دورِ خلافت میں عراق، مصر، لیبیا، شام، ایران، خراسان، مشرقی اناطولیہ (ایشیائے کوچک، مغربی ایشیا کا جزیرہ نما)، جنوبی آرمینیا اور سجستان کی سرزمین فتح ہوئیں۔آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مبارک دور میں پہلی مرتبہ یروشلم فتح ہوا اور یوں ساسانی (چوتھی ایرانی اور دوسری فارسی) سلطنت کا مکمل رقبہ جبکہ بازنطینی (مشرقی رومی) سلطنت کا تقریباً تہائی حصہ اسلامی سلطنت کے زیرِ نگیں آگیا۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مہارت، شجاعت اور عسکری صلاحیت سے اپنی سلطنت و حدودِ سلطنت کا انتظام، رعایا کی جملہ ضروریات کی نگہداشت اور دیگر امورِ سلطنت کو جس خوش اسلوبی اور مہارت و ذمہ داری کے ساتھ نبھایا وہ ان کی عبقریت کی دلیل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق، خسرو پرویز کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے اور حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جتنا رقبہ فتح کیا گیا، اتنا آج تک کسی عہدِ حکومت میں فتح نہیں ہوا۔ایک یورپی مؤرخ نے لکھا ہے کہ اگر عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کچھ عرصہ مزید زندہ رہ جاتے، تو دنیا کا دوتہائی حصہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں ہوتا۔(جاری ہے)

مولانا حق نواز

فاتحِ افریقہ حضرت عُقبہ بن نافع الفہری رحمۃ اللہ علیہ

مسلم فاتحین

قسط 1

تاریخِ عالم ایسے عظیم المرتبت مجاہدین اور فاتحین سے بھری پڑی ہے جنہوں نے اپنے ایمان، شجاعت اور پختہ عزم سے جغرافیائی سرحدوں کو بدل کر رکھ دیا۔لیکن جب بات شمال مغربی افریقہ (بلادِ مغرب) میں اسلام کی شمع روشن کرنے اور صحراؤں کی تپتی ریت پر توحید کا پرچم لہرانے کی آتی ہے، تو تاریخ کی نگاہیں ایک ہی جلیل القدر اور تاریخ ساز شخصیت پر جا کر ٹھہرتی ہیں حضرت عقبہ بن نافع الفہری القرشی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی سوانح عمری محض فتوحات کی داستان نہیں، بلکہ ایک تابعیِ جلیل اور عظیم سپہ سالار کی وہ حماسی ملحمہ ہے جس نے صحرا کی گرم ہوائیں سہیں، اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی صلاحیتوں کا قطرہ قطرہ وقف کیا اور بربر قبائل کے دلوں میں عشقِ خداوندی کی ایسی جوت جگائی جس کی روشنی آج بھی قائم ہے۔

ولادت، نام و نسب اور خاندانی پس منظر

آپ کا پورا نام عقبہ بن نافع بن عبد القیس الفہری القرشی ہے۔آپ کا تعلق قریش کی نہایت معزز اور جنگجو شاخ بنو فہر سے تھا۔آپ کی ولادت باسعادت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصال سے محض ایک سال قبل ہوئی۔ اس لحاظ سے مؤرخین آپ کو صحابیتِ مولد (پیدائشی صحابی) کا شرف دیتے ہیں، اگرچہ آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقاعدہ صحبت، مجالست اور روایت کا موقع نہ مل سکا۔آپ کا شمار ان جلیل القدر کبارِ تابعین میں ہوتا ہے جن کی آغوشِ تربیت اکابر صحابہ کی صحبت میں پروان چڑھی۔

حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی پس منظر اسلامی فتوحات کی تاریخ سے گہرا پیوستہ تھا۔آپ فاتحِ مصر، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔اس کے علاوہ آپ کے والد نافع بن عبد القیس، العاص بن وائل کے اخیافی (مادری) بھائی تھے، جس کی بناء پر حضرت عمرو بن العاص، عقبہ بن نافع کے مادری ماموں بھی لگتے تھے۔اس قریبی اور مضبوط خاندانی رشتے نے عقبہ بن نافع کو ایک ایسا

ماحول فراہم کیا جہاں شجاعت، تدبر اور قیادت ان کے خون میں رچ بس گئی تھی۔

تربیت و تیاری

کسی بھی عظیم شخصیت کی تشکیل میں اس کے استاد اور سرپرست کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی خوش قسمتی تھی کہ ان کی تربیت و رہنمائی کی ذمہ داری خود فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنبھالی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوعمری ہی سے اپنے اس ذہین اور شجاع بھانجے کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا۔انہوں نے عقبہ بن نافع کو اپنے قریب رکھا، جنگی فنون کی تربیت دی اور میدانِ کارزار کی سختیوں کا خوگر بنایا۔حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر معروف معاونین مسلمہ بن مخلد الانصاری اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح خوب جانتے تھے کہ سپہ سالار اپنے اس نوجوان رفیق سے کتنی محبت کرتے ہیں اور کس طرح انہیں مستقبل کی عظیم فتوحات کے لیے تیار کر رہے ہیں۔اس تربیتی دور نے عقبہ بن نافع کے اندر بے پناہ دینی جوش و جذبہ اور فوجی تدبر پیدا کر دیا۔

میدانِ عمل میں قدم

جب 18 سے 21 ہجری (641ء) کے دوران حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے مصر پر لشکر کشی کی گئی، تو حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ابھی چودہ سال سے بھی کم تھی۔اس کم عمری کے باوجود، آپ اپنے والد نافع بن عبدالقیس کے ساتھ اس تاریخ ساز مہم میں شامل ہوئے۔

مصر کی فتح کے دوران، جب جنوبی سرحدوں پر نوبہ (Nubia) اور بیجہ (Beja) کے جنگجوؤں کی طرف سے اسلامی ریاست کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوا، تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کٹھن اور دشوار گزار مہم کی قیادت نافع بن عبدالقیس کے سپرد کی اور نوجوان عقبہ بن نافع اور ان کے بھائی عبداللہ بن نافع بھی اپنے والد کے ساتھ اس مہم میں پیش پیش رہے۔

نوبہ کے جنگجو اپنی تیراندازی کی زبردست مہارت کی وجہ سے ”رمۃ الحدق“ (آنکھوں پر نشانہ باندھنے والے تیرانداز) کے نام سے مشہور تھے۔حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کی معیت میں اس خونریز مہم کی سختیوں کا سامنا کیا اور جنوبی سرحدوں کو امن کا گہوارہ بنا کر معاہدہ پر مجبور کر دیا۔مصر کی الفسطاط (قاہرہ) میں قیام، انتظامی تدابیر اور جامع عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (الجامع العتیق) کی تعمیر کے مراحل نے

آپ کو ایک بہترین فاتح اور منتظم کے طور پر تیار کر دیا۔

صحرائے فزان اور زوائلہ کی تسخیر

21 ہجری (641ء) میں جب اسکندریہ کے معاہدے کے بعد مصر کی فتح مکمل ہوئی، تو مغربی الحدود کو رومیوں اور باغی عناصر سے محفوظ بنانا وقت کی اہم ترین ضرورت بن گیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ نے صحرائی جنگوں کی کٹھن نوعیت اور دور دراز علاقوں میں جا کر مہم جوئی کے لیے حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب فرمایا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسلامی لشکر کو دو اہم حصوں میں تقسیم کیا:

(1) ساحلی لشکر: جس کی قیادت خود حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کی اور شمال کی جانب المرج (برقہ کے ساحلی قصبات/Pentapolis) پر پیش قدمی کی۔

(2) صحرائی لشکر: جس کی خودمختار اور مستقل قیادت انہوں نے نوجوان حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کی اور انہیں اپر مصر کے صحرائی راستے (الواحات) سے ہوتے ہوئے فزان (Fezzan) اور زوائلہ (Zaweela) کے دور دراز اندرونی علاقوں کو مسخر کرنے کا حکم دیا۔

یہ حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی پہلی مستقل اور خودمختار عسکری قیادت تھی۔ آپ نے صحرائے اعظم کی تپتی ریت اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرتے ہوئے برق رفتاری سے پیش قدمی کی۔ ان علاقوں میں بربر کا طاقتور قبیلہ ہوارہ (بنو خطاب) آباد تھا۔ آپ نے نہ صرف اپنی عسکری ہیبت کا لوہا منوایا بلکہ ان کے ساتھ بہترین سفارت کاری کرتے ہوئے بغیر کسی بڑے خون خرابے کے انہیں اسلام کی قبولیت اور جزیہ پر آمادہ کر لیا۔ ہر بالغ لڑاکا مرد پر ایک دینار سالانہ جزیہ مقرر کیا گیا، جسے انہوں نے خوش دلی سے تسلیم کیا۔

حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے فزان اور زوائلہ کے پرامن معاہدے اور جزیہ کی وصولی کی خبر خط کے ذریعے اپنے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھیجی، جنہوں نے یہ شاندار رپورٹ خلیفۂ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ ارسال فرمائی۔

دعوتِ اسلام اور ربع صدی کی خدمات

صحرائے فزان کی فتح کے بعد، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ الفسطاط واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کو برقہ کے علاقے میں بطورِ امیر اور مرابط (مستقل پاسبان) متعین فرمایا۔

یہ تعیناتی آپ کی زندگی کا ایک نیا اور نہایت اہم موڑ ثابت ہوئی۔ آپ 23 ہجری کے آخر سے لے کر 50 ہجری تک یعنی پچیس سال سے زائد عرصہ برقہ اور اس کے گرد و نواح میں مقیم رہے۔ اس طویل عرصے میں آپ نے درج ذیل اہم خدمات سر انجام دیں:

دعوتِ دین اور تعلیم: بربر قبائل کے گھر گھر جا کر قرآن و سنت کی تعلیم دی اور عربی زبان کو فروغ دیا۔

ثقافتی و خاندانی روابط: مقامی آبادی کے ساتھ جذباتی و روایتی رشتہ استوار کرنے کے لیے حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بربر کے مشہور اور معزز قبیلے لواتہ کے سردار کی بیٹی (امیرہ) سے شادی کی، جنہیں کنیت میں ''امِ ابی عبیدہ'' کہا جاتا تھا۔ اس محترمہ خاتون کے بطن سے آپ کے چار مایہ ناز بیٹے پیدا ہوئے: ابو عبیدہ، عیاض، عثمان اور موسیٰ۔

علاقائی استحکام: بربر عوام عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کے عدل و انصاف، شفیق رویے اور حسنِ اخلاق کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ رومن حکومت کے مظالم کو بھول کر جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور اسلام کے وفادار مجاہد بن گئے۔

فتحِ سبیطلۃ اور بشارتِ فتح

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دورِ خلافت میں جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر کے والی بنے، تو 27 ہجری میں افریقہ (موجودہ تیونس) کے اندرونی علاقوں کی طرف ایک عظیم مہم کا آغاز کیا گیا۔ رومن گورنر جرجیر (Gregory) کے خلاف لڑے جانے والے اس تاریخی معرکے کو معرکہ سبیطلۃ کہا جاتا ہے۔

حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ جنہیں اس پورے علاقے کا گہرا جغرافیائی اور تزویراتی تجربہ حاصل تھا، اس مہم کے اہم ترین رفیق اور مشیر تھے۔ جب مسلمانوں کو اس معرکے میں شاندار فتح حاصل ہوئی اور جرجیر واصل جہنم ہوا، تو فتح کی عظیم الشان خوشخبری دار الخلافہ مدینہ منورہ پہنچانے کے لیے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ حضرت عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا گیا۔

مسجدِ نبوی میں کھڑے ہو کر ان دونوں جواں عزم مجاہدین نے خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اور صحابہ کرام کے سامنے افریقہ کی فتوحات، مالِ غنیمت اور حالاتِ سفر کی تفصیلات بیان کیں، جس پر مدینہ منورہ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

أئمة العلم

ورثة الأنبياء

1

فقیہِ اُمت حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ

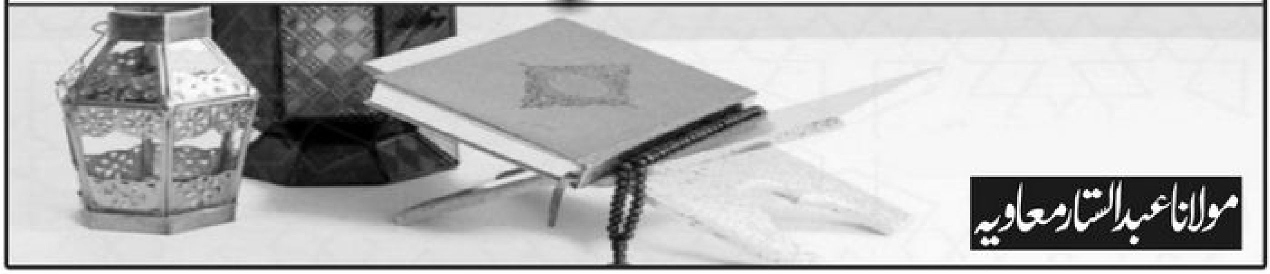

مولانا عبدالستار معاویہ

مدینہ منورہ میں اپنے زمانے کے مشہور ’’فقہاء سبعہ‘‘ میں سے ایک نام حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

نام ونسب

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ’’قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق عبداللہ بن ابوقحافہ‘‘ ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ’’ابومحمد‘‘ تھی، آپ عظیم المرتبت تابعی ہونے کے علاوہ مدینہ منورہ کے ’’فقہاء سبعہ‘‘ کی جماعت کے بھی ایک ممتاز رُکن تھے۔آپ کے حسب ونسب کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ آپ خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا کے پوتے تھے اور قریش کی معزز شاخ ’’بنوتَیم‘‘ سے آپ کا تعلق تھا۔

آپ کی والدہ ماجدہ ’’سودہ‘‘ شاہِ ایران ’’یزدجر‘‘ کی بیٹی تھیں، جوکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جنگ کے دوران مسلمانوں کی قید میں آئی، جنہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہبہ کر دی تھی۔

آپ کا شمار تابعین عظام میں ہوتا ہے جو اخلاص، للّٰہیت، تجرعلمی اور سیرت وکردار کے اعتبار سے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ ان کے زمانے کے فرزندانِ توحید ہر قسم کے دینی مسائل اور معاملات میں رہنمائی کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ولادت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ولادت ایک قول کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخری

زمانے میں ۲۹ ہجری میں ہوئی جبکہ ایک قول کے مطابق آپ کی ولادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں سن ۳۵ ہجری میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر نو سال تھی کہ آپ اپنے والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔آپ کے والد ماجد کی شہادت کے بعد آپ کو آپ کی پھوپھی ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی آغوشِ شفقت میں لے لیا اور بڑے لاڈ اور پیار سے آپ کی پرورش کی، حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی فقہ کا بہت سا علم حاصل کیا۔

حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے بچپن کے بہت سے واقعات یاد تھے جو وہ بڑے لطف کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہماری پھوپھی حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈواتی تھیں اور ہمیں مسجد بھیج دیتی تھیں، پھر دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں۔

آپ کے اساتذہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت رافع بن خدیج، اپنی نانی جان حضرت اسماء بنت عُمیس، حضرت امیر معاویہ اور دیگر کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات نقل کرتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ

تحصیل علم کے بعد حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسندِ درس و تدریس کو رونق بخشی اور ہمہ تن تبلیغِ دین اور اشاعتِ علم میں مشغول ہو گئے۔ان کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں تھا۔شائقین علم دور دور سے آ کر ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے۔حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ان کو بڑی محنت اور مستعدی سے درس دیتے، یہاں تک کہ وہ جُملہ علوم میں طاق ہو جاتے پھر وہ واپس جا کر اس نورِ علم کو جو انہوں نے حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ہوتا آگے پھیلاتے۔اس طرح چراغ سے چراغ جلنے لگتے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں آپ کے فرزند عبدالرحمٰن کے علاوہ امام شعبی، سالم بن عبداللہ، ابوبکر بن حزم، علامہ ابن شہاب زہری، ابن ابی ملیکہ، حمید الطویل، ابن عون، جعفر بن محمد، یحییٰ بن سعید انصاری،

ابوالزناد، صالح بن کیسان جیسے اکابرِ امت شامل ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ صبح سویرے مسجد نبوی تشریف لاتے، پہلے دو رکعت نماز پڑھتے پھر حلقۂ درس میں بیٹھ کر علم کے موتی لٹانا شروع کر دیتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دن کا بیشتر حصہ اسی شغل میں گزرتا۔ عشاء کے بعد آپ اور آپ کے ساتھی حدیث خوانی کرتے۔

ذوق حدیث

ابن عون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ حدیث بالکل الفاظ وحروف کے ساتھ روایت کرتے تھے۔

زھد وتقویٰ

زہد وورع کے اعتبار سے وہ ممتاز ترین تابعین میں سے تھے اور صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ذات جملہ فضائل واخلاق کی جامع تھی۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا: آپ زیادہ علم رکھتے ہیں یا سالم؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''سبحان اللہ! ہر ایک (اپنی معلومات کے مطابق) آپ کو بتائے گا۔''

اس دیہاتی نے پھر پوچھا: آپ دونوں میں سے کون زیادہ علم والا ہے؟ آپ نے دوبارہ فرمایا: ''سبحان اللہ''

دیہاتی نے وہی سوال پھر دہرایا تو حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''وہ سالم ہیں، ان کے پاس جائیں اور ان سے پوچھ لیجیے۔''

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہنا ناپسند کیا کہ میں زیادہ علم رکھتا ہوں، کیونکہ اس میں اپنی خودستائی تھی اور یہ کہنا بھی ناپسند کیا کہ سالم مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، کیونکہ وہ جھوٹ ہو جاتا، حالانکہ حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں (حضرت قاسم اور حضرت سالم رحمہما اللہ) میں زیادہ علم والے تھے۔

بحری جہاد اور تیراکی

۸۔اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق اداء کر دینا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’جس شخص نے سمندر میں اللہ تعالیٰ کے راستے کی ایک لڑائی میں حصہ لیا اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے میں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق اداء کر دیا اور اُس نے جنت کو ہر طریقے سے پالیا اور جہنم سے ہر طریقے سے بچ گیا۔‘‘(ابن عساکر)

جو شخص اپنے رب کی خاطر دنیا میں پانی کے خوف کو مات دے کر سمندر کی وسعتوں میں اترتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے آخرت کے ہر خوف سے نجات دے دیتا ہے۔تیراکی محض ہاتھ پاؤں مارنے کا نام نہیں، یہ اللہ کے بھروسے پر سمندر کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی رحمت کے موتی چننے کی عملی مشق ہے۔

۹۔جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد نہ کیا ہو

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’جس نے میرے ساتھ مل کر جہاد نہ کیا ہو، اُسے چاہئے کہ سمندر میں جہاد کرے، بے شک سمندر کے ایک دن کا اجر خشکی کے ایک ماہ کے اجر جیسا ہے۔‘‘(مصنف عبد الرزاق)

۱۰۔اللہ تعالیٰ کا سمندری شہید کی روح کو خود قبض فرمانا

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے روحوں کو قبض کرنے کے لئے موت کے فرشتے کو مقرر فرمایا ہے، مگر سمندر کے

شہداء کی ارواح کو وہ خود قبض فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ خشکی پر شہید ہونے والے مجاہد کے سارے گناہ بخش دیتا ہے سوائے قرض کے، جبکہ سمندر کے شہید کے قرضے سمیت سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔"
(ابن ماجہ، ضعیف)

۱۱۔سمندر میں جہاد کرنے والے کی خشکی پر جہاد کرنے والے پر فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سمندر میں جہاد کرنے والے کو خشکی پر جہاد کرنے والے پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی خشکی میں جہاد کرنے والے کو اپنے اہل وعیال میں بیٹھنے والے پر۔" (الطبرانی فی الکبیر)

۱۲۔اصحاب الاکف بہترین شہداء

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" اللہ کے نزدیک بہترین شہداء اَصحَابُ الاکُف ہیں۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اَصحَابُ الاکف کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یہ وہ لوگ ہیں جن کی سواریاں سمندر میں اُن پر الٹ جاتی ہیں۔" (کتاب الجہاد لابن مبارک)

۱۳۔اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں پوری دنیا طے کرنے کا اجر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص سمندر میں جہاد کے لیے سوار ہوا، اُسے ہر دو موجوں کے درمیان اتنا اجر ملے گا گویا کہ اس نے اللہ کی فرمانبرداری میں پوری دنیا طے کر لی ہو۔" (شفاء الصدور)

۱۴۔سمندری جہاد کی خشکی کے جہاد پر فضیلت

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

"سمندر میں جہاد کرنے والے کو خشکی میں جہاد کرنے والے پر کئی فضیلتیں حاصل ہیں: جب وہ اپنا پاؤں سمندر میں کسی سواری پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی اُمید میں رکھتا ہے تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر اگر وہ قتل کر دیا جاتا ہے یا ڈوب جاتا ہے تو اسے دو شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔ اور جب وہ سمندر میں سوار ہوتا ہے تو اُس وقت سے لے کر لوٹنے تک اُسے گردن کٹوانے

والے خون میں لت پت شہید کا اجر ملتا رہتا ہے۔اور سمندر کا ایک دن خشکی کے ایک مہینے سے اور اس کا ایک مہینہ خشکی کے ایک سال (اجر میں بہتر ہے)۔" (کتاب السفن ورجالہ رجال صحیح)

۱۵۔سمندری جہاد کی برکت سے قیامت کی ہولناک گھبراہٹ سے حفاظت

سمندر میں جہاد کرنے والوں کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ انہیں قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ کا کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"میں نے خواب میں اپنی اُمت کے کچھ لوگوں کو سمندر میں جہاد کرتے ہوئے دیکھا، ان لوگوں کو قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ غم میں نہیں ڈالے گی۔" (شفاء الصدور، ابن ماجہ)

۱۶۔سمندری شہادت کی خاص لذت

"سمندر کے جہاد کی ایک اور فضیلت کا بیان اس حدیث میں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"سمندر کے شہید کو شہادت کے وقت ایسا لگتا ہے جیسے کہ وہ ٹھنڈے پانی کے ساتھ شہد پی رہا ہے اور خشکی کے شہید کو شہادت کے وقت ایسا لگتا ہے جیسے چیونٹی نے کاٹا ہو۔" (شفاء الصدور)

۱۷۔اللہ تعالیٰ کا سمندری مجاہدین پر خوشی سے ہنسنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمندر کے مجاہدین پر چند مقامات پر (خوشی اور رضا سے) ہنستا ہے:

جب وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر کشتی میں آ کر بیٹھتا ہے، جب اُسے کشتی میں چکر آتے ہیں، جب وہ خشکی کی طرف آتا ہے اور خشکی کو دیکھتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، جید پر مبنی)

۱۸۔جسے سمندر میں قے آئے وہ خشکی میں خون میں لت پت ہونے والا جیسا

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنا ایک قدم (جہاد کے لئے) کشتی میں رکھتا ہے تو اس کے سارے گناہ اس کے پیچھے رہ جاتے ہیں اور وہ اس طرح (پاک) ہو جاتا ہے جیسے پیدا ہوتے وقت گناہوں سے پاک تھا اور سمندر میں جسے چکر اور قے آئے، وہ دورانِ جہاد خون

میں لت پت ہونے والے جیسا ہے اور اس میں صبر کرنے والا اس بادشاہ کی طرح ہے جس کے سر پر تاج ہو۔(کتاب السنن سعید بن منصور باسناد جید موقوفا)

۱۹۔ستر پڑوسیوں کی شفاعت

حضرت یحییٰ بن سعید سے مروی ہے ''کہ سمندر کا شہید اپنے ستر پڑوسیوں کی شفاعت کرے گا، یہاں تک کہ اس کے پڑوسی قیامت کے دن آپس میں جھگڑیں گے اور ان میں سے ہر ایک زیادہ قریبی پڑوسی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔''(شفاء الصدور)

۲۰۔دو موجوں کے درمیان کا اجر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص سمندر میں جہاد کیلئے سوار ہوا، اُسے ہر دو موجوں کے درمیان اتنا اجر ملے گا گویا کہ اس نے اللہ کی فرمانبرداری میں پوری دنیا طے کر لی ہو۔''(شفاء الصدور)

۲۱۔ساحل سمندر پر تین دن کے پہرے کا اجر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے مسلمانوں کے کسی ساحل پر تین دن پہرہ دیا تو اس کیلئے ایک سال کی پہرے داری کے برابر اجر ہے۔''(مجمع الزوائد، مسند احمد)

۲۲۔افضل ترین رباط، سمندر کا رباط

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا رباط (پہرے داری) سب سے افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''سمندر کی پہرے داری، پس جس شخص نے سمندر (کے محاذ) پر چالیس راتوں تک پہرہ دیا تو گویا کہ اس نے ستر مقبول حج کر لئے اور یہ راتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔(شفاء الصدور)

۲۳۔ساحل سمندر کا ایک دن کا رباط، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تیس سالہ اعتکاف سے زیادہ محبوب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”میرے نزدیک ساحل سمندر پر ایک دن کا رباط اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں بازار سے سو غلام خرید کر آزاد کر دوں اور اپنی اس مسجد (مسجد نبوی شریف) میں تیس سال اعتکاف کروں۔“ (شفاء الصدور)

۲۴۔ساحل سمندر پر نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”سمندر کے ساحل پر ایک نماز دس لاکھ گنا بڑھادی جاتی ہے، (ساحل سمندر کا تذکرہ اس لئے ہے کہ عموماً پہرہ داری والے محافظ دستے ساحل سمندر پر ہوتے ہیں۔“) (شفاء الصدور)

مسلم امہ کی سمندری سرحدوں کی حفاظت ایک انتہائی حساس اور بھاری ذمہ داری ہے۔ایک بہترین ساحلی محافظ اور مجاہد وہی ہوسکتا ہے جو پانی سے مکمل طور پر مانوس ہو۔تیراکی کی مہارت کے بغیر ساحلوں کا دفاع ناممکن ہے۔ یہ ہنر ایک مجاہد کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ لہروں کے درمیان رہ کر امت کی حفاظت کرے اور اس بے پناہ اجر کا حقدار ٹھہرے۔

یہ روایات صرف تاریخ کے سنہری اوراق نہیں، بلکہ اُمتِ مسلمہ کے لیے ایک زندہ پیغام ہیں۔ یہ ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ اسلام صرف محراب و منبر تک محدود نہیں، بلکہ خشکی، فضاء اور سمندر ہر میدان میں اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کا داعی ہے۔آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اندر قوت، مہارت، جرأت اور جہادی تیاری کی وہ صفات پیدا کریں جن کی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی ہے۔تیراکی ایک معمولی کھیل نہیں، بلکہ ایک ایسی مہارت ہے جو جسمانی طاقت، حوصلے اور استقامت کو جِلا بخشتی ہے۔اگر ہم سمندر کی عظمت، اس کی ذمہ داریوں اور اس سے وابستہ فضائل کو سمجھ لیں تو ہماری نئی نسل پانی سے کھیلنے والی نہیں بلکہ اسے مسخر کرنے والی نسل بن سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعمال کی قدر عطاء فرمائے جنہیں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پسند فرمایا، اور ہمیں اُن خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائے جو دین کی خدمت، اُمت کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کر دیتے ہیں۔آمین

کارگزاری شعبہ جات

شعبہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ لدعوۃ الایمان

الحمدللہ ! مورخہ: 14 ستمبر 2026 کراچی کیماڑی کے ضلعی نمائندہ کے مستقل گشت کے نتیجہ میں 1 ہندو مذہب سے وابستہ شخص کو بروز پیر اسلامی طریقہ کے مطابق کلمہ شہادت پڑھا کر برضا وخوشی دائرہ ایمان میں داخل کیا۔ابتدائی تعلیمات سکھائی گئیں اور نومسلم کا اسلامی نام علی حیدر رکھا گیا۔

شعبہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ (دبئی) خواتین کی مستقل رکن اور تمام کورسز میں شریک رہنے والی دبئی کی داعیہ نے، شعبہ کی مرکزی منتظمہ سے مسلسل رابطے اور رہنمائی کے ساتھ، اپنے دفتر میں ایک بھارتی ہندو ملازم کو دعوت ایمان دینا شروع کی۔تین ماہ کی مسلسل محنت کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اپنا اسلامی نام ''ریان'' رکھا اور ان کا قریبی اسلامک سینٹر سے قبول اسلام کا سرٹیفیکیٹ بھی بنوا دیا گیا۔ریان بھائی شادی شدہ ہیں اور ان کے دو بچے ہیں، تاہم فی الحال ان کی فیملی بھارت میں ہے اور صرف وہ خود اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

میر پور خاص میں چند روز قبل اسلام قبول کرنے والے بھائی علی حیدر نے صوبائی صاحب کے مسلسل رابطے سے اپنی فیملی پر محنت جاری رکھی۔آج مورخہ 19 ستمبر 2026ء الحمدللہ! ان کی اہلیہ اپنے 6 ماہ کے بیٹے سمیت دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئیں۔شعبہ کی طرف سے نومسلم فیملی کو رومال، چادر وغیرہ بھی دیئے گئے۔نومسلم فیملی نے اپنی غیر مسلم برادری کی طرف سے ممکنہ خطرے کا خدشہ ظاہر کیا، جس پر شعبہ کی طرف سے انہیں مکمل تحفظ اور ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کروائی گئی۔

کارگزاری بزم یوسفی شعبہ المرابطون مدارس

اس سال 27 / 8 / 26 سے تقریری مقابلے شروع ہوئے، موضوع غزوۂ تبوک معارف و اسباق تھا۔اس وقت تک ملک کے مختلف ڈویژنوں میں 17 تقریری مقابلے ہوگئے ہیں۔ 5 تقریری مقابلے

باقی ہیں ۔تمام مقابلوں میں کل خطباء: چارسوستائیس ۔کل شرکاء جن میں اکثریت علماء وطلباء کی تھی: چھ ہزار ایک سوساٹھ۔

دو پروگرام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ہوئے ۔جن میں شرکاء کی تعداد 200 تھی ۔

عظیم الشان اجتماع (بسلسلہ تذکرہ حیات وخدمات حضرت مولانا عبدالعزیز ایثار رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور اس کی خاص توفیق سے ڈویژن فیصل آباد کی ٹیم اور صوبائی منتظم صاحب کی محنت، مخلصانہ کوششوں اور دعاؤں کے نتیجے میں یہ عظیم الشان اجتماع انتہائی کامیابی کے ساتھ مکمل ہو۔اس اجتماع میں شرکاء کی تعداد 4000 کے لگ بھگ رہی،

شعبہ تعلیم الرمایہ

مؤرخہ 25 / 09 / 2026 بروز جمعۃ المبارک بہاولنگر مرکز اسعد ایوب مدنی شہید رحمۃ اللہ علیہ میں بعداز نمازِ فجر بہاولنگر ضلع کی سطح کا مقابلہ فی الرّ مایہ منعقد ہوا۔جس میں ضلع بھر سے ٹیمیں شریک ہوئیں۔ ہر ٹیم میں شریک افراد کی تعداد 6 رہی۔اس طرح مقابلہ میں شامل 6 ٹیموں میں شریک سکول وکالج اور مدارس کے طلباء سمیت مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی کل تعداد 36 ہوگئی۔ ہدف سے 10 میٹر کے فاصلے سے ہر شریکِ مقابلہ نے 3 تیر پھینکے اور شرکاء سے داد وصول کی۔ہر ٹیم کو 180 نمبروں کا ہدف دیا گیا۔بعد ازاں شرکاء ”ہل من مبارزٍ“ کے ذریعے اپنے مقابل نکال کر مقابلہ سجاتے رہے۔

ہفت روزہ مشی للہ ومجالس حضوری (صوبائی کارگزاری)

27 ستمبر بروز اتوار

(1) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ: مشی للہ مقامات 195-شرکاء 1555-مجالس حضوری 658-شرکاء 4,980 (2) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ: مشی للہ مقامات 92-شرکاء 2170-مجالس حضوری 437-شرکاء 5086 (3) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ: مشی للہ مقامات 80-شرکاء 848-مجالس حضوری 1137-شرکاء 7450-(4) حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ: مشی للہ مقامات 64-شرکاء 1099-مجالس حضوری 653-شرکاء 2990 (5) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہ: مشی للہ مقامات 57-شرکاء 187-مجالس حضوری 208-شرکاء 1886 (6) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ: مشی للہ مقامات 44-شرکاء 194-مجالس حضوری 373-شرکاء 1481

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادعیہ نبویہ (صلوٰۃ اللہ علیٰ صاحبہا)

۱ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةَ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ، أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ

ترمذی رقم ۳۲۳۵

ترجمہ یا اللہ! میں آپ سے نیکیوں کے کرنے، برائیوں سے روکنے، مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور اس چیز کا (سوال کرتا ہوں) کہ آپ مجھے بخش دیجئے اور مجھ پر رحم فرمائیے اور جب آپ لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ فرمائیں تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر موت دے دیجئے اور میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس شخص کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو آپ سے محبت رکھتا ہو اور ایسے عمل سے محبت کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی محبت کے قریب سے قریب تر کر دے۔

۲ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ.

ترمذی رقم ۳۵۶۶

ترجمہ اے دلوں کو پلٹنے والے! میرا دل اپنے دین پر جما دیجئے۔

۳ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مُعَافَاتَكَ وَمَغْفِرَتَكَ

نسائی رقم ۹۳۹

ترجمہ یا اللہ! میں آپ سے آپ کی عافیت اور بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

مدینہ منورۃ میں حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں واقع تاریخی کنواں "بئر الفقیر"۔ قدیم وجدید مناظر